کتاب مستطاب
بحر رحمت
المعروف بہ
اَخبارِ اہل عرفاں
تذکرہ حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس اللہ سرہ العزیز
رحمت آباد شریف ضلع نیلور (آندھرا پردیش)
تالیف منیف :
حضرت سید ابو سعید والا
(خلیفہ حضرت شاہ محمد رفیع الدین قندھاری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝

اردو ترجمۂ کتاب

بحرِ رحمت

یک بیک زد جوش ۱۲۴۰ھ

المعروف بہ

اَخبارِ اہل عرفان

۱۲۴۱ھ

تذکرہ حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ قدس اللہ سرہ العزیز

رحمت آباد شریف ضلع نیلور (آندھرا پردیش)

تالیف منیف:

حضرت سید ابو سعید و آلا نقشبندیؒ

باہتمام

شیخ محمد عبد الغفور قادری، رحمت آبادی

نائب شیخ التجوید جامعہ نظامیہ، حیدر آباد دکن، الہند

ناشر:

مولوی محمد عبد اللہ بادشاہ

امام و خطیب مدینہ مسجد، رحمت آباد شریف، ضلع نیلور، اے پی

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب	:	بحرِ رحمت المعروف بہ اخبار اہل عرفان
مصنف	:	حضرت سید شاہ ابوسعید وآلا نقشبندی (بزبان فارسی)
جملہ صفحات	:	۱۶۰
سنہ اشاعت	:	ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ = مارچ ۲۰۰۱ء
باراول	:	۵۰۰۰
کمپیوٹر کتابت	:	شکیل کمپوزنگ سنٹر نزد مسجد معراج، کرماگوڑہ، سعید آباد، حیدرآباد۔۵۹ فون: 4501048
مطبع	:	لکشمی آفسیٹ پرنٹنگ پریس، کاچی گوڑہ، حیدرآباد۔ فون: 6582635

بہ اہتمام:
شیخ محمد عبدالغفور رحمت آبادی
کامل جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

ناشر:
محمد عبداللہ بادشاہ
امام وخطیب مدینہ مسجد، رحمت آباد شریف، ضلع نیلور، آندھراپردیش۔ پن کوڈ: 524304

ملنے کے پتے:

ھمالیہ بک ڈسٹری بیوٹرس۔ اجنتا گیٹ، ایم جے روڈ، حیدرآباد۔۱

محمد عبداللہ بادشاہ ۔ امام وخطیب مدینہ مسجد، رحمت آباد شریف، ضلع نیلور، اے پی، پن کوڈ: 524304

شیخ محمد عبدالغفور ۔ 20-3-1126، شاہ گنج، حیدرآباد۔ (نزد طریقت منزل فنکشن ہال)

اسلامک بک سنٹر ۔ چوک مرغاں، حیدرآباد۔

مجلس اشاعت العلوم ۔ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد۔۵۰۰۰۶۴، اے پی، الہند

فہرست بحرِ رحمت

سلسلہ نقشبندیہ کی مقدس سیڑھیاں:

[illegible]

اور ان کے اخلاق و عادات کے بارے میں

موج سوم — تیسرا باب

حضرت خواجہ کے خرق عادات وکشف وکرامات ۹۴

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَشْرَفِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

اَمَّا بَعْدُ :

بحرِ رحمت جیسی کتاب کو فاضل قارئین سے متعارف کرانا ایک بے بضاعت شخص کیلئے جراٗتِ بیجا سے کم نہیں۔ اسلئے اس تعارف کو کتاب سے زیادہ ترجمے کا تعارف سمجھنا چاہئے۔

کچھ عرض کرنے سے پہلے اس کتاب کے نسخوں کا ایک اجمالی تذکرہ ضروری ہے۔ اِس کے ساتھ یہ بھی بتلانا ضروری ہے کہ ترجمے کی تحریک کس طرح ہوئی:

● حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی رحمت آباد شریف میں بناء کردہ "مدینہ مسجد" کے موجودہ موروثی خطیب و امام مولانا عبداللہ پاشا کے والدِ محترم حضرت محمد غوث محی الدین عرف "صاحب جان" مرحوم (وفات ۸/ مئی 1979ء =11/ جمادیٰ الاخریٰ ۱۳۹۹ھ) کے پاس ان کے والدِ محترم حضرت محمد عبداللہ بیگ صاحب مرحوم کے ہاتھ سے نقل کیا ہوا ایک نسخہ بحرِ رحمت کا موجود تھا۔ حضرت صاحب جان نے، جو عربی اور اردو کے خوش نویس بھی تھے، اپنے ہاتھ سے اس فارسی تالیف کی ایک نقل کر رکھی تھی۔

رحمت آباد شریف بلالحاظِ مذہب و ملت اور بلالحاظِ قابلیت ہر شخص کیلئے اپنے اندر ایک بڑی کشش رکھتا ہے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے ایک دیرینہ و ممتاز معتقد جناب

مولوی سید محمود علی صاحب قادری (موظف جائنٹ رجسٹرار جامعہ عثمانیہ) سے حضرت صاحب جان کی ملاقات بلکہ دوستی ایک فطری بات تھی۔ امام صاحب موصوف نے اپنے والد کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ، مولوی سید محمود علی صاحب کے حوالے کیا تا کہ وہ اس کا اردو میں ترجمہ کروائیں۔ سید صاحب موصوف نے اپنے فاضل دوست، محترم جناب ڈاکٹر یعقوب عمر صاحب صدر شعبۂ فارسی نظام کالج سے ترجمہ کی درخواست کی۔ ڈاکٹر یعقوب عمر صاحب کا کیا ہوا ترجمہ چند سال سے طباعت کے انتظار میں رکھا ہوا تھا، کہ رحمت آباد ہی کے ایک فاضل سپوت مولانا شیخ محمد عبد الغفور صاحب قادری (کامل جامعہ نظامیہ و ریسرچ اسکالر عربی عثمانیہ یونیورسٹی) نے محض توفیق ایزدی سے ترجمے کے اس کام کو آگے بڑھانے کا ذمہ لیا جس کا نتیجہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

شیخ صاحب چونکہ جامعۂ نظامیہ حیدرآباد (آندھرا پردیش) کے کتب خانے کی خدمت سے وابستہ رہے ہیں، (اور فی الحال نائب شیخ التجوید ہیں) نظامیہ کے کتب خانے میں ''بحرِ رحمت'' کے دو قلمی نسخے ان کے ہاتھ لگے، نیز معلوم ہوا کہ حیدرآباد کے بعض علمی گھرانوں میں بھی اس کتاب کی نقلیں موجود ہیں، لیکن اصل کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ مولانا شیخ محمد عبد الغفور صاحب نے دستیاب نسخوں کو حضرت العلامہ ابوبکر محمد الہاشمی، صدر شعبۂ تحقیق دائرۃ المعارف عثمانیہ یونیورسٹی کی خدمت میں پیش کیا۔ موصوف نے ان نسخوں کا باہمی تقابل کر کے بنظرِ غائر ایڈیٹنگ کی اور ایک مستند نسخہ تیار فرما کر اس کی روشنی میں ترجمے پر نظر ثانی کی جو اِن صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔

جامعہ نظامیہ کے کتب خانے میں موجود مذکورہ قلمی نسخوں کی تفصیل اس طرح ہے:

پہلا نسخہ ۱۳ ربیع الثانی ۱۳۰۱ھ = 1884ء اور دوسرا نسخہ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ = 1897ء کا تحریر کردہ ہے:

(۱) ''الحمد للہ والمنۃ کہ رسالہ مفتخر کشف و کرامات و خرق عادات خواجہ علیہ الرحمہ است بتاریخ سیزدہم ماہ ربیع الثانی روز دوشنبہ در ۱۳۰۱ ہجری اختتام پذیرفت''۔

(۲) ''بحرِ رحمت سوانح خواجہ رحمت اللہ نائب رسول بتاریخ یازدہم ماہ ذیحجہ ۱۳۱۴ھ ہجری کتاب بحرِ رحمت صورتِ اختتام تحریر پذیرفت''۔

''بحرِ رحمت'' فصیح ترین زبانِ فارسی میں تالیف کردہ کتاب ہے، اس کے مصنف علیہ الرحمہ نے تمہید میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے: ''سید ابو سعید نقشبندی المتخلص بہ والا عفا اللہ عنہٗ''۔ انہوں نے کتاب میں ضمناً اپنے دادا، حضرت سید زین العابدین امامی، اپنے والد حضرت سید ابو طیب امامی اور اپنے تایا حضرت سید ضیاء الدین امامی کا ذکر کیا ہے۔ دادا، والد اور تایا، بخارا کے نواح میں واقع قصبہ ''امام'' سے واردِ ہندوستان ہوئے تھے۔ لیکن مصنف نے خود اپنے نام کے ساتھ ''امامی'' کہیں نہیں لکھا ہے، جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی مرز بوم چاہے کچھ ہی رہی ہو، یہ بات یقینی ہے کہ فارسی ان کی مادری زبان تھی، جس کی کتاب کی زبان بھی شہادت دیتی ہے۔ کتاب کیا ہے فارسی زبان کا ایک ادب پارہ ہے۔ اس لئے اس کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر اصل کتاب بھی علٰحدہ طبع کی جارہی ہے۔

کتاب کا سنِ تصنیف ۱۲۴۰ھ = 1824ء ہے۔ اس ترجمے کے آخر میں ایک توقیت نامہ دیا جارہا ہے جس میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ سے متعلق اور دیگر سنین دیے گئے ہیں۔ فی الحال یہاں یہ کہنا ہے کہ 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات پر ان کی جانشینی کیلئے پیش آیا ہوا گشت وخون وغیرہ ختم ہونے کے بعد 1724ء میں جب کہ دہلی کی مغلیہ سلطنت برائے نام چل رہی تھی، نظام الملک آصف جاہ اول (میر قمر الدین علی خان) نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (1703ء تا 1762ء) کی ایماء پر دکن کو سنبھال لیا۔

آصف جاہِ اول کے بعد آصف جاہِ دوم (نظام علی خان) نے آصف جاہی سلطنت کو استحکام بخشا اور اپنے والد کے قائم کئے ہوئے پایۂ تخت اورنگ آباد کو چھوڑ کر 1762ء میں حیدرآباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا جو ایک اہم اور دوراندیشانہ اقدام تھا۔ (ان چند

الفاظ میں تقریباً ایک صدی کی تاریخ آ گئی ہے۔) اس ایک صدی میں انگریزوں کی حکومت مستحکم طور سے قائم ہونے تک ہندوستان میں جو کھلبلی مچی ہوئی تھی، وہ تاریخِ ہند کے ایک معمولی طالب علم سے بھی مخفی نہیں ہے۔

ان حالات میں سترھویں صدی عیسوی کے اواخر میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ (۱۱۰۵ھ = 1694ء میں) موجودہ ریاست کرناٹک کے مستقر ضلع بلگام میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم حضرت خواجہ عالم نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے نواح سے ہندوستان تشریف لاکر بلگام کی جامع مسجد کے خطیب ہوگئے تھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی نوعمری کا زمانہ تھا کہ والدۂ محترمہ کے انتقال اور والدِ محترم کے دوسری شادی کر لینے کے بعد آپ نے والدِ محترم سے ہمیشہ کیلئے اجازت لی اور کرنول آ کر اپنی خالہ صاحبہ کے پاس رہنے لگے۔ آپ کی زندگی کا یہ پہلا موڑ تھا۔ اختصار کی خاطر یہاں آپ کی زندگی کے صرف اہم مرحلے بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کتاب اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ کرنول سے آپ حج و زیارت کیلئے حرمین شریفین تشریف لے جاتے ہیں۔ وہاں سے واپسی پر کرنول پھر نندیال (جہاں آپ نے پہلی شادی کی، جس سے ایک لڑکی تولد ہوئی لیکن جلد ہی ماں اور بیٹی دونوں داغِ مفارقت دے گئیں) اور اودے گیری میں مختصر قیام کے بعد آپ نے خود اپنے نام نامی سے موسوم رحمت آباد کی اسم بامسمّٰی بستی بسائی۔

کتاب میں نہ صرف خواجہ علیہ الرحمہ کے حالاتِ زندگی ملتے ہیں بلکہ آپ کے شجرہ ہائے طریقت، آپ کے معمولات، آپ کی کرامات، اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی والہانہ وابستگی کا ذکر ہے جسکے بارے میں ''بحرِ رحمت'' کا بیان ہے کہ: ''آپ کی ہر چیز گویا سرکارِ دو عالم ﷺ کی ملک تھی''، جس کے آپ امین تھے۔ (ملاحظہ ہو باب ۲، فصل ۱۹) ۔ پھر کوئی آپ کو ''نائب رسول اللہ'' نہ کہے تو کیا کہے!!۔ حضرت شاہ محمد رفیع الدین قندھاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فارسی تالیف ''ثمرات مکیہ'' (غیر مطبوعہ) میں اور خود مصنف

بحرِ رحمت نے جا بجا (ص: ۱۱۵، ص: ۵ بالترتیب) آپ کو نائب رسول اللہ لکھا ہے۔ حضرت نائب رسول سے وابستہ ایسے ذی مرتبہ، اہل علم اور اہل اللہ بزرگوں کی یہ عینی شہادت ہے۔ اسلئے آپ کا پورا نام اس طرح لیا جاتا ہے: ''خواجہ رحمت اللہ نائبِ رسول اللہ''۔

حضرت نائبِ رسول کے احوال اس کتاب میں پڑھتے وقت قارئین اس بات پر خاص طور سے غور کریں کہ حج سے واپسی پر اپنے مستقل قیام کے لئے ایک مقام کا انتخاب کر کے آپ نے خلقِ خدا کی جو خدمت انجام دی ہے وہ کہیں اور بھی ممکن تھی، لیکن یہ ''ریاست میں ایک ریاست'' (State within a state) قائم کرنا حضرت کا ایسا با مقصد کارنامہ ہے جو شاید بہت کم بزرگوں کے حصے میں آیا۔

آپ کی روحانی تربیت کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ آپ کا گھوڑا بھی پرائے کھیت کی گھاس نہیں کھاتا تھا۔ آپ نے جب ایک جانور کی ایسی تربیت فرمائی تھی، تو مریدین میں آپ کی تربیت نے کیا کچھ اثر نہ دکھایا ہوگا اور یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خود آپ کی ذاتی زندگی انتہائی سخت شرعی اور روحانی ڈسپلن کی پابند نہ رہی ہو۔ آپ کی پابندئ اوقات کا یہ حال تھا کہ دلائل الخیرات کے وِرد کیلئے جو وقت مقرر تھا اُس وقت میں آپ کو ارکاٹ کا پیدل سفر کرنا پڑا تو کتاب ہاتھ میں لے کر چلتے چلتے پڑھتے جاتے تھے۔ احتیاط کا یہ عالم کہ رحمت آباد سے پانچ چھ کیلومیٹر پر واقع موضع احمد پور کو، جس کی آمدنی آپ نے مدینۂ طیبہ کیلئے وقف فرمادی تھی، کبھی تشریف لے جاتے تو پانی بھی اپنے ساتھ لے جاتے، اور وہاں کا پانی تک استعمال نہیں فرماتے تھے۔ اس کی آمدنی سے استفادہ تو دور کی بات ہے۔

کتاب میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے ہم عصر بزرگوں اور روحانی متعلقین کے حالات بھی دیے گئے ہیں جن میں سے قندھار (ضلع ناندیڑ، مہاراشٹرا اسٹیٹ) کے متوطن

بزرگ حضرت شاہ محمد رفیع الدین فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زیادہ تفصیل سے ہیں اور بہت عقیدت سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے[1]۔ ممکن ہے کہ حضرت ابو سعید واآلا نے حضرت نائبِ رسول کے وصال کے بعد آپ کو اپنا پیرِ صحبت بنایا ہو۔

رحمت آباد شریف سے تقریباً دو کیلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب چندلور پاڑو نامی ایک چھوٹا سا موضع ہے جہاں آج صرف پانچ گھر مزدور پیشہ مسلمانوں کے ہیں حالانکہ یہی موضع حضرت ابوسعید واآلا اور آپ کے تایا، حضرت سید ضیاء الدین امامی کا مسکن رہا ہے۔ رحمت آباد سے متصل "بڑے گاؤں" کے متوطن ایک نائطی، جناب محمد عبداللہ[2] صاحب تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے، یہ صاحب قدیم بزرگوں کے حالات سے بہت واقف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ حضرت نائب رسول کے وصال کے بعد حضرت ابوسعید واآلا مدراس منتقل ہو گئے تھے۔ لیکن آپ کے تفصیلی حالات زندگی فی الحال دستیاب نہیں ہیں۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ بعض نوجوان، بزرگوں کے معتقد ہیں اور ان کے احوال جاننے کے متمنی اور کوشاں رہتے ہیں۔ ایسے نوجوانوں کیلئے حضرت نائب رسول پر ریسرچ کا ایک وسیع میدان موجود ہے جس کا یہ کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ دوسرا ماخذ جس کو زمانی اعتبار سے بحرِ رحمت پر اولیت حاصل ہے اور جس کا ذکر حضرت ابوسعید واآلا نے بھی کیا ہے، حضرت نائب رسول کے مرید و خلیفہ، حضرت شاہ نظام الدین

---

(۱) موجودہ زمانہ کے لوگوں، خاص کر نوجوانوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ قندھار سے رحمت آباد کا فاصلہ تقریباً ایک ہزار کیلومیٹر ہے اور درمیان میں دکن کی سب سے بڑی دو ندیاں گوداوری اور کرشنا واقع ہیں۔ آج سے دو سو سال پہلے جب کہ یہ علاقہ گھنے جنگلوں، درندوں ور ڈاکوؤں سے بھرا ہوا تھا، اور بیل گاڑی اور گھوڑے کے سوا کوئی سواری میسر نہیں تھی حضرت رفیع الدین قندھاری جیسے محدث اور جید عالمِ دین نے محض حضرت نائب رسول سے بیعت کی خاطر اتنی دور دراز کا سفر اختیار فرمایا۔

(۲) محمد عبداللہ صاحب کے فرزند محمد صفدر صاحب رحمت آباد میں تجارت کرتے ہیں اور چند تلگو اخبارات کے نامہ نگار بھی ہیں۔

کی فارسی تصنیف ''عقیدت الطالبین'' ہے۔ اس کتاب کو بانیٔ جامعۂ نظامیہ شیخ الاسلام حضرت انوار اللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے نظامیہ کی مجلسِ اشاعت العلوم سے طبع کروایا تھا۔

محترم مترجم ڈاکٹر یعقوب عمر صاحب نے ترجمے کے علاوہ بہت سے مفید حاشیے (فوٹ نوٹس) بھی دیے ہیں جو ان کی وسیع معلومات پر دلالت کرتے ہیں۔ ان حاشیوں (فوٹ نوٹس) کو مصنف سے منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ چند ایک حاشیے دوسرے اصحاب نے بھی لکھے ہیں جن کے آگے ان کے نام دے دیے گئے ہیں۔ بغیر نام کے جتنے حاشیے ہیں وہ سب کے سب ڈاکٹر صاحب موصوف ہی کے ہیں۔

آخر میں اپنے ہم پیشہ اور فاضل دوست (موظف انجینئر محکمہ آبرسانی) مولوی عارف الدین فاروقی، پی ایچ ڈی، (عربی) ریسرچ اسکالر (فارسی) کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے از راہِ کرم اُس منظوم فارسی خط کا نثری ترجمہ فرمایا جو حضرت ابوالحسن قربی ویلوری کے .. شاگرد؛ حضرت محمد باقر آگاہ نے حضرت نائبِ رسول کو لکھا تھا۔ ان اشعار کا ترجمہ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان میں ایک طرف تو سلسلۂ نقشبندیہ کے اشغال اس عمدگی سے نظم کئے گئے ہیں کہ گویا انگوٹھی میں نگینے جڑ دیے گئے ہیں۔ دوسری طرف حضرت باقر آگاہ جیسے بزرگ کے، حضرت نائب رسول کے ساتھ کمالِ عقیدت کا بھی ان میں برملا اظہار ہوتا ہے بالخصوص یہ شعر تو ہر شخص کے دل کی آواز ہے

من بے کس وزخمہا نہانی   ہاں اے کسِ بیکساں تو دانی

نثری ترجمہ کتاب میں دیکھ لیجئے۔ حسبِ ذیل شعر میں منظوم ترجمہ کی کوشش کی گئی ہے:

دوسروں سے گرچہ پوشیدہ ہیں مجھ بیکس کے زخم

بیکسوں کے اے سہارے! تجھ سے پوشیدہ نہیں (قدیری)

فنِ شاعری کے اعتبار سے بھی یہ اشعار ایک باضابطہ قصیدہ ہیں جن میں قصیدہ کے پورے لوازم موجود ہیں۔

راقم کی نظر سے حضرت نائب رسول کے بارے میں مسلم اور چند غیر مسلم معتقدین کے تلگو زبان میں لکھے ہوئے رسالے گذرے جن کے دیکھنے سے بڑی مایوسی ہوئی۔ بعض حضرات نے اردو میں بھی کچھ کاوشیں کی ہیں لیکن اُنہیں حضرت نائب رسول کے شایانِ شان کہنا مشکل ہے۔ اس لئے کوئی صاحب حقِ تحقیق اداء کر کے ایک مختصر رسالہ حضرت کے مستند واقعات زندگی پر مشتمل اُردو، تلگو، انگلش میں لکھ دیں تا کہ ناروا باتیں حضرت سے منسوب نہ کی جاسکیں تو ایک بیش بہا خدمت ہوگی۔

بزرگوں کے مزارات کو مٹی کے ڈھیر سمجھنے والے ذرا رحمت آباد جا کر اپنی سر کی آنکھوں ہی سے ملاحظہ کریں کہ آج بھی وہاں کیسی کچھ خدمتِ خلق ہو رہی ہے کہ اس طرح کی خدمت سے وہ لوگ بھی عاجز ہیں جو اپنے کو ''زندہ'' سمجھتے ہیں۔

اِس کتاب میں ہجری سنین اردو ہندسوں میں، اور عیسوی سنین انگریزی ہندسوں میں دیے گئے ہیں۔

فقط

خواجہ صفی اللہ قدیری

حیدرآباد : ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

سیرت خواجہ رحمت اللہ

شریعتِ غرائے محمدی کی پیروی تمام سلاسل طریقت کی بنیاد ہے، مگر سلسلۂ نقشبندیہ کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس میں اتباعِ شریعت کا بڑا اہتمام ملتا ہے۔

نظریۂ وحدت الوجود سے عہدہ برآ ہونا انتہائی اعلیٰ درجہ کے حامل صوفیاء کا کام ہے۔ وہی اس کے رموز سے کماحقہٗ واقف ہو سکتے ہیں، عام مسلمانوں کیلئے سہل اور مؤثر راہِ نجات کا ہونا ضروری ہے۔ اکابرین ان رموز کے متعلق عوام سے یا عوام میں گفتگو نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ''سحرِ رحمت'' میں بھی خواجہ رحمت اللہ کے برادرِ طریقت شیخ علی مکی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ انکے کسی مرید نے اس سلسلہ میں کچھ باتیں خلاف شریعت کہہ دیں، شیخ اس قدر ناراض ہوئے کہ اسے اپنی محفل سے نکال دیا، اور آئندہ کیلئے ایسی باتوں کے خلاف سخت تنبیہ کی جو عام لوگوں کیلئے زہرِ ہلاہل کا حکم رکھتی ہوں (ص:۱۵)۔

شریعت کی تمام و کمال پیروی اکابرین سلسلۂ نقشبندیہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ مذکور ہے کہ خواجۂ بزرگ کا شہرہ سن کر ایک شخص آپ کی خدمت میں مرید ہونے کی نیت سے حاضر ہوا، کچھ دنوں تک آپ کی صحبت میں رہا، جب اسے کوئی کرامت نظر نہیں آئی تو واپس جانے لگا، حضرت نے سبب پوچھا، اُس نے وجہ ظاہر کر دی، کہنے لگے تم نے اتنے دنوں میں کوئی امر خلاف شریعت بھی دیکھا ہے؟ اُس نے کہا نہیں بلکہ آپ کو تو مستحبات بھی ترک کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا یہ چیز کرامت سے کم ہے؟ یہ جملہ اثر کر گیا، وہ شخص فوراً توبہ کر کے مرید ہو گیا اور درجۂ کمال پر فائز ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طریقت میں اصل مطلوب کرامت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکابرین طریقت

ہمیشہ اسے ناپسند کرتے آئے ہیں کیونکہ طریقت میں اصل مطلوب حقیقت کا عرفان ہے، کرامت ایک ضمنی چیز ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس کا مطمح نظر صرف حصول کرامت ہو وہ سچا صوفی نہیں، اس کی منزل مقصود تک رسائی ممکن نہیں۔ (کرامات الابرار سیئات المقربین نیکوں کی کرامات، مقربین بارگاہِ الٰہی کے نزدیک گناہوں میں شامل ہیں)۔

بحرِ رحمت (ص:۹۵) پر یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک مقام پر خواجہ رحمت اللہ کی دعاء سے بارش ہوگئی، تو آپ نے وہاں کی ملازمت کے ساتھ ساتھ وہ مقام بھی چھوڑ دیا کہ کہیں اس بات کا شہرہ نہ ہو جائے۔ اس واقعہ میں یوں بھی ہے کہ نواب کی درخواست پر آپ نے دعاء کردی، مگر جب اُس نے پوچھا کہ بارش کب ہوگی؟ تو آپ کو غصہ آ گیا، کہنے لگے کہ میں غیب کا عالم نہیں ہوں کہ یہ جان لوں۔ اس قدر برہمی کی وجہ بھی یہی تھی کہ اہل اللہ کے متعلق لوگوں کے دلوں میں غیر شرعی محبت یا خیالات نہ پیدا ہوں، ورنہ آپ نرمی سے بات ٹال جاتے۔

اکابرین سلسلۂ نقشبندیہ نے جو شریعت کا اہتمام کیا ہے اس سے تذکرے بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے بدعتوں پر ہمیشہ کاری ضرب لگائی۔ اتباع شریعت میں ہر سرد و گرم کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس معاملے میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کے ایک مشہور خلیفہ سید شیخ آدم بنوری نے اولی الامر کی اطاعت کا جو اہتمام کیا وہ مثالی ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ جہاں نے اُنہیں مکہ معظمہ جانے کا حکم دیا، جس کی انہوں نے فوری تعمیل کی، قلندرانہ بے نیازی کا مظاہرہ جہاں تک ضروری تھا اس میں بھی اُنہوں نے کوتاہی نہیں کی اور شاہجہاں کے وزیر ملا عبدالحکیم سے سرد مہری کا اظہار کرتے رہے۔ اللہ والوں کو امیروں اور وزیروں سے کوئی نجی کام تو ہوتا نہیں لہٰذا اُن سے اس طرح ملتے ہیں کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ والوں پر دنیوی عہدہ داروں کے جاہ و جلال کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لیکن جب اطاعت اولی الامر کا موقعہ آتا ہے تو اس کی فوری تعمیل کرتے ہیں۔

ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکاتیب کے ذریعہ جو کام انجام دیا ہے، اُس نے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں شریعت کا بول بالا کر دیا۔ حضرت مجدد کے خلیفہ سید شیخ آدم بنوری کو شروع شروع میں لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا، پھر ان پر علم کے حصول کا ایسا غلبہ ہوا کہ نہ صرف شرعی علوم پر عبور حاصل کیا بلکہ قرآن کریم بھی حفظ کر لیا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے جو علم شریعت کی خدمت انجام دی، وہ سب جانتے ہیں۔ مرزا مظہر جانجاناں نقشبندی نے جو خواجہ رحمت اللہ کے ہم عصر تھے، سات جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے جو تفسیر مظہری کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح عبدالغنی نابلسی اور شاہ غلام علی نقشبندی کی کوششوں اور تحریروں سے عالم عرب میں خاص کر عراق وشام اور افریقہ میں سلسلۂ نقشبندیہ پھیلا۔ شاہ غلام علی کی پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ عمر بھر کسی امیر کا نذرانہ قبول نہ کیا۔ شاہ ولی اللہ کی اولاد نے ہندوستان میں جو علومِ شریعت کی اشاعت کی اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔

خواجہ رحمت اللہ کا عہد مسلمانوں کے سیاسی زوال کا زمانہ تھا، اس وقت جنوبی ہند میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی ریشہ دوانیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ قومی سلطنتیں جو کئی اکائیوں میں بٹی ہوئی تھیں وہ اس سیلاب کا متحد ہو کر مقابلہ کرنے کے قابل نہ تھیں۔ جب سیاسی زوال آتا ہے تو جلیل القدر قومیں بھی اخلاقی خرابیوں اور توہمات کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ وہی زمانہ تھا جبکہ شاہ ولی اللہ کا خاندان شمالی ہند میں جہالت کی زبردست آندھیوں میں علوم شریعت کا چراغ روشن کئے ہوئے تھا، اور جنوبی ہند میں یہ کام خواجہ رحمت اللہ اور ان کے خلفاء انجام دے رہے تھے۔

خواجہ رحمت اللہ نے اس پر آشوب دور میں ردّ بدعت کا بیڑہ اُٹھایا۔ آپکا رسالہ ''تنبیہ النساء'' اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ ردّ بدعت کو شاید بعض لوگ اہمیت نہ دیں لیکن پر آشوب حالات میں بدعت شکنی کا کام علمِ شریعت کی ترویج واشاعت سے بھی زیادہ اہم ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب کی سیرت نگاری جس انداز سے بحرِ رحمت میں ہوئی ہے وہ لاجواب ہے۔ یہاں ہماری نگاہیں سب سے پہلے "الحبُّ للہ و البغضُ للہِ" (ص: ۱۵، ۶۲، ۷۸) پر پڑتی ہیں جس پر خواجہ صاحب سختی سے عمل پیرا تھے۔ یہ وہ اصول ہیں جس پر علم شریعت کی بنیاد اُستوار ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابرین ہمیشہ "والکاظِمینَ الغیضَ والعافِینَ عن الناسِ" کی تفسیر بنے رہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نے اہل اللہ کو تکلیف دی، اور وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو لوگ یہ سمجھنے لگے کہ ان کی بددعاء سے ایسا ہوا ہے، حالانکہ امرِ واقعہ اس کے بالکل خلاف ہوتا ہے۔ ایسی ہی غلط روایتیں بعض اوقات ضبطِ تحریر میں بھی آ جاتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ تکلیفیں سہتے ہیں اور صبر و درگذر سے کام لیتے ہیں، سچے ولی کبھی بدلہ یا انتقام کی اصطلاحوں میں نہیں سوچتے۔ لہٰذا کسی بھی ولی کے متعلق یہ گمان نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ستائے جانے پر انتقام لیتے ہیں:۔

وفا کنیم وجفا میکشیم وخوش باشیم		کہ در طریقتِ ما کافریست رنجیدن

خواجہ رحمت اللہ کسی کے برا بھلا کہنے سے کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے، اور اپنے مریدوں کو بھی ان سے الجھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے، اگر کوئی مرید اپنے پیرومرشد کی طرف داری میں ایسا اقدام کرتا تو اس مرید ہی سے ناراض ہو جاتے تھے (ص ۶۲)۔ اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی کامیاب پیروی ہے۔ اُن کی پرہیزگاری کا یہ عالَم تھا کہ اپنے گھوڑے کو کسی کے بھی کھیت میں چرنے نہیں دیتے تھے، گھانس خرید کر اس کی غذا کا اہتمام کرتے تھے (ص ۶۴)۔

پیرویِ سنت اور اتباعِ شریعت کا کامل نمونہ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو وہ خواجہ رحمت اللہ کی سیرت دیکھے جو ابوسعید واَلا نے بحرِ رحمت میں بیان کی ہے۔ ''یـامـرون

بالمعروف وینھون عن المنکر'' کا وہ اہتمام کہ بدعتی تو دور رہے بے عمل اور نام نہاد مسلمان بھی آپ کی محفل میں بار نہیں پا سکتے تھے۔ مریدوں کی دینی تربیت ایسی کہ اگر کوئی آپ کی امامت میں نماز اداء کر لیتا تو وہ گوہر مقصود پالیتا تھا (ص ۶۵)۔

نواب بسالت جنگ نے جب خانقاہ و مسجد بنانے کی پیشکش کی تو حضرت خواجہ نے صرف اسلئے ٹھکرادی کہ اس کے بعض اعمال خلاف شرع تھے۔ اسکی مدد لینے کے بجائے اسے شریعت پر عمل کرنے کی نصیحت کی۔ کڑپہ کے رئیس کی خاطر و مدارات بھی کبھی قبول نہ کی۔ یہ بات نہیں ہے کہ آپ امراء سے دور رہتے تھے بلکہ اس سلسلہ میں آپ اپنے طریقۂ نقشبندیہ کے اصولوں پر عمل کرتے تھے کہ امراء سے خلق خدا کو فیض پہونچانے کیلئے ان سے مناسب ربط و ضبط مذموم نہیں۔ اسی بنیاد پر آپ امیر و غریب ہر ایک سے یکساں سلوک فرماتے۔ آپ کے ایک خلیفہ محمد صبغت اللہ جو نواب والا جاہ کے دوستوں میں تھے آپ کو ایک موضع ''سکل'' بطور نذر دلوانا چاہتے تھے مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ کوکن کے ایک زاہد محمد شفیع کو جنہوں نے آپ سے فیض بھی حاصل کیا تھا، پیروی سنت کیلئے آپ ہی نے مجبور کیا، چنانچہ انہوں نے شادی کر لی (ص ۹۴)۔ کوئی آپ کو دعوت دیتا اور دوسروں سے زیادہ آپ کی خاطر تواضع کرنے کی کوشش کرتا تو آپ اس سے ناراض ہو جاتے۔

کسب حلال کی خاطر آپ نے کرنول کے حاکم کی ملازمت کی تھی اور اُس وقت چھوڑ دی جبکہ لوگ آپ کی دعاء کی مقبولیت کے راز سے واقف ہو گئے اور حضرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس کی شہرت ہو۔

شریعت میں حصول علم پر بہت زور دیا گیا ہے یہاں تک کہ حدیث میں نہ صرف مسلمان مردوں اور عورتوں کو حصول علم کی تاکید کی گئی ہے بلکہ اس کیلئے سفر کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ خواجہ رحمت اللہ نے بھی حتی الامکان اپنے آپ کو درس و تدریس میں مصروف

رکھا۔ اپنے شاگردوں کو تفسیر، قرآن، حدیث، اور فقہ کا درس علی الاعلان دیتے رہے۔ لیکن جہاں تک طریقت کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کی تربیت کا معاملہ تھا، کبھی سب کے سامنے اس کا ذکر نہ کرتے۔ یہ تربیت خلوت ہی میں ہوتی تھی، اور وہ بھی مخصوص طالبین کیلئے۔ اسی بناء پر آپ مریدوں سے کہتے تھے کہ ''زرِ توحید، بند غنچہ کی طرح دل میں چھپائے رکھنا موجب جمعیت ہے۔ اگر اسے ظاہر کر دیا جائے تو مثل گل آفت و پریشانی کا باعث ہوتا ہے'' (ص ۱۷)۔

دولتمندوں سے ربط وضبط کے متعلق آپ کا ارشاد تھا: ''دولتمندوں کی اصلاح کیلئے فقراء ان سے میل جول رکھتے ہیں۔ اگر اپنا مفاد پیش نظر ہو تو خوفِ خدا و پاسِ رسول دل سے نکل جاتا ہے اور فقراء دنیا میں اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ پھر اللہ کی طرف رجوع ہونا ممکن نہیں۔''

آپ کی عجز و انکساری اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کبھی خادموں کو اپنے حضور میں کھڑا نہ رکھتے تھے۔ خواجہ رحمت اللہ کے کردار کی بلندی ان کے مریدوں اور خلفاء میں بھی نظر آتی ہے چنانچہ آپ کے ہر دل عزیز خلیفہ شاہ محمد رفیع الدین قندھاری جو بحر رحمت کے مؤلف ابوسعید والا کے استاد و پیر تھے، عمر بھر اسی اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہے۔ شاہ صاحب کو حصول علم کا شوق اس قدر تھا کہ صرف ۱۴ سال کی عمر میں مُرَوَّجہ کتابیں یہاں تک کہ جامی کی مشہور کتاب ''لوائح'' مکمل طور پر پڑھ چکے تھے۔ ارسطو جاہ جیسے امیر کبیر نے جب شمس آباد گاؤں نذر کرنا چاہا تو آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہاں سے اصرار ہوا تو آپ نے شمس آباد کی سند ہی پھاڑ دی، اور ارسطو جاہ کے غیض و غضب کی بھی پرواہ نہ کی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اولی الامر کی اطاعت کا یہ اہتمام بھی کیا کہ جب انہیں شہر بدر کیا گیا تو خندہ پیشانی کے ساتھ مصلیٰ دوش پر رکھا، اور چل دیے، آپ کے ساتھ مریدوں اور معتقدوں کا وہ جم غفیر اور انبوہ کثیر تھا کہ اگر آپ بدلہ لینا چاہتے تو سارا شہر اُرسطو جاہ کی تکا بوٹی کر دیتا مگر آپ نے بال برابر بھی پیروی شریعت سے انحراف نہیں کیا۔

مؤلف بحرِ رحمت ''ابوسعید واؔلا''

''بحرِ رحمت'' کے مؤلف کا نام سید ابوسعید تھا۔ اُن کے والد سید ابوطیب خان ابن سید زین العابدین امامی عوام میں مشہور تھے۔ شاعری میں اُن کا تخلص ''واؔلا'' تھا۔ ۱۱۹۰ھ میں رحمت آباد میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کے جوہرِ طبع نمایاں ہونے لگے تھے۔ عربی، فارسی اور فنِ خطاطی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد واؔلا نے مدراس جا کر مشہور عالم وشاعر باقر آگاہ کی شاگردی اختیار کی۔ مولوی باقر آگاہ کی وفات کے بعد رحمت آباد لوٹے، اور اس دوران حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری سے پہلے طریقۂ نقشبندیہ میں اور پھر سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی۔ کچھ دن بعد اُن کے دوست حافظ یار جنگ نے نواب والا جاہ بہادر کے ہاں ملازمت دلوادی، خطاب پایا، اور امیر الہند والا جاہ نواب محمد غوث خاں بہادر کے استاد مقرر ہوئے۔ واؔلا نے اپنی ساری زندگی درس و تدریس میں گذار دی۔ فارسی شعروادب کی تدریس میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ نواب صاحب کو بھی فارسی شاعری سے دلچسپی تھی اور اعظمؔ تخلص کرتے تھے۔ ''گلزارِ اعظم'' کے نام سے ایک تذکرہ بھی لکھا تھا جس میں واؔلا کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ۱۲۶۴ھ میں بعارضۂ فالج ابوسعید واؔلا کا انتقال ہوگیا۔ تمیال پیٹ کی مسجد معمور میں تدفین عمل میں آئی۔

تذکرۂ گلزارِ اعظم کے بموجب واؔلا کی دو طویل مثنویاں ''بحرِ غم'' اور ''آیۂ رحمت'' بہت مشہور ہیں۔ دیوان میں قصاید، غزلیات، قطعات اور رباعیات ہیں۔ نثر میں قصائد عرفی کی تشریح کے علاوہ طرزِ ظہوری میں چند رسالے بھی ہیں۔ لیکن صحیح معنوں میں اُن کا شاہکار پیشِ نظر کتاب ''بحرِ رحمت'' ہے۔

واؔلا نے ''بحرِ رحمت'' کی وجہ تالیف یہ بتلائی ہے کہ میر حسن دہلوی کی ''فوائد الفؤاد'' دیکھنے کے بعد اُن کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ وہ اپنے پیرومرشد کے حالات وملفوظات

پر فارسی میں کتاب تالیف کریں۔ لیکن انہوں نے فوائد الفواد کا اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ سعدیؔ و ظہوریؔ کی پیروی کی۔ تذکرۂ گلزار اعظم میں ہے کہ جہاں تک ''سحرِ رحمت'' کا طرز نگارش ہے، ابوسعید واؔلا نے موتیوں کا انبار لگا دیا ہے۔ اور یہ حقیقت صرف فارسی نثر کے ماہرین ہی جان سکتے ہیں۔

''سحرِ رحمت'' کا طرز تحریر رنگ ظہوری کا حامل ہے۔ مسجع اور مقفیٰ نثر میں ابوسعید واؔلا نے جو شاعرانہ رنگ اختیار کیا ہے اس سے یہ کتاب سحر حلال بن گئی ہے۔ اکثر جگہ جملے اس بے ساختگی سے اداء ہوئے ہیں کہ قافیہ بندی کے تکلف کا احساس ہی نہیں ہو پاتا۔ ملاحظہ ہو:

''نور باطنش یکسر پرید ورنگ بشرہ اش برنگ شمع سوختہ تیرہ گردید''

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تشبیہات واستعارات پر انہیں کامل قدرت حاصل تھی۔ الفاظ اور ترکیبیں قطار در قطار دست بستہ موصوف کی خدمت میں کھڑے رہتے تھے۔ دیکھئے:

''شدت گرسنگی سنگ قناعتم شکست، ناچار برنگ برگ خزاں دیدہ زیر درختے افتادم و بخدمت آں جناب عرض دادم، طاقتم وحرکت برمن شاق گشتہ''

فوائد الفواد کا طرز تحریر سادہ، اثر انگیز اور سلیس تھا، جملے چھوٹے چھوٹے مفیدِ مطلب اور سہل ممتنع کا رنگ لئے ہوئے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ اس کی جگہ رنگین بیانی نے لے لی۔ ابوسعید واؔلا کا اسلوب اداء رنگین ہے۔ اثر انگیزی اور حلاوت سے معموران کے طرز اداء میں رنگ تکلف بھی ہے۔ مگر قابل لحاظ حصہ ایسا ہے جس میں آورد نہیں، آمد نظر آتی ہے۔ بعض موقعوں پر مقفیٰ و مسجع عبارت گوہرِ آبدار کی لڑی معلوم ہوتی ہے اور یہ کہنا مشکل ہو جاتا ہے اس میں بے ساختگی نہیں ہے۔

حیدرآباد: ۱۵؍ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

ڈاکٹر یعقوب عمر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہیدِ مصنف

اُس منعمِ حقیقی کی بارگاہ میں شکر و سپاس کا نذرانہ جس نے اپنے تمام بندوں کو "لاتَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ" (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ) کے انعام سے نوازا اور گناہ کے بازار کے ننگوں کو "رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" (میری رحمت ہر چیز پر چھا گئی) کی اعلیٰ درجہ کی ریشمی خلعت سے ڈھانک دیا۔ "عمّ نعماؤہ وجل ثناؤہ" (اس کی نعمتیں عام ہیں اور اس کی تعریفیں بلند ہیں)۔

تحفۂ صلاۃ وسلام اس رحمۃ للعالمین کی خدمت بابرکات میں جو ناکامی کے صحراء میں بھٹکنے والے پیاسوں پر ابرِ رحمت بن کر برسا اور جس نے دشتِ گناہ و گمراہی میں پھنسے ہوئے لوگوں کو اپنی شفاعت کے آبِ حیات سے سیراب کیا۔ ہدیۂ صلاۃ وسلام ان کی آل کی خدمت میں جنھیں دینِ مبین میں درجۂ عالی حاصل ہے۔ اور آخر میں سلامِ عقیدت رحمۃ للعالمین کے اصحابِ کرام پر جو اس امتِ مرحومہ کی نجات کیلئے اتنے ہی فکرمند و کوشاں رہے جتنے خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و آلہ واصحابہ اجمعین تھے ع :

رحمتِ حق نثارِ یارانش

(اللہ کی رحمت آنحضرتؐ کے اصحابؓ پر نثار ہو)

سببِ تصنیف

اما بعد ! یہ فقراء کی جوتیاں اٹھانے والا بلکہ خاکِ پائے درویشاں سید ابوسعید نقشبندی المتخلص بہ والاؔ اپنے پیرومرشد کے حالات قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ جب میں نے میر حسن دہلوی(۱) کی تصنیف ''فوائد الفؤاد''(۲) دیکھی جو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور امیر خسرؔو دہلوی نے جس کی بے حد تعریف کی ہے، تو میرے دل میں بھی ایسی ہی تمنا پیدا ہوئی۔ اور جب خواجہ عبیداللہ

---

(۱) میر حسن دہلوی: آپ کا پورا نام خواجہ نجم الدین حسن سجزی تھا مگر علاء حسن کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۶۵۱ھ (1253ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے اور امیر خسرؔو کے ساتھ خان شہید (شہادت 1285ء) کی ملازمت اختیار کی۔ اسی زمانہ میں امیر خسرو سے بیحد دوستی ہوگئی یہانتک کہ ایک دوسرے کے محبوب کہلانے لگے۔ دونوں کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس سرہٗ کی مریدی کا شرف حاصل تھا۔ سلطان محمد تغلق کے حکم سے اُن کو دہلی چھوڑنی پڑی اور ۷۳۸ھ (1338ء) میں دولت آباد میں انتقال فرمایا۔ مزار شریف دولت آباد سے پانچ کوس دور خلد آباد شریف میں واقع ہے۔ آپ فارسی کے بہترین شاعر بھی تھے۔ خان شہید کا نام محمد تھا' سلطان غیاث الدین بلبن (دورحکومت 1226 تا 1286ء) کے بیٹے تھے۔

(۲) فوائد الفؤاد: خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس سرہٗ (۶۳۶ تا ۷۲۵ھ = 1238 تا 1325ء) کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے میر حسن دہلوی نے مرتب کیا تھا۔ میر حسن دہلوی کو سب سے زیادہ شہرت اسی کتاب سے ملی۔ اس کتاب میں امورِ شریعت، اسرارِ طریقت، احوالِ صوفیہ اور اکابرین تصوف کے اقوال ملتے ہیں۔ میر حسن جو کچھ اپنے مرشد کی زبانی سنتے تھے اس کو ضبطِ تحریر میں لایا کرتے تھے۔ یہ کل پندرہ سالوں کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ سال تالیف ۷۲۳ھ (1323ء) ہے گویا ۷۰۷ھ (1308ء) سے ۷۲۲ھ (1323ء) تک میر حسن دہلوی آپ کی خدمت میں باریاب رہے۔ یہ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ یوں تو اولیائے کرام کے بہت سے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں لیکن جو قبولِ عام فوائد الفؤاد کو حاصل ہوا وہ کسی اور کو میسر نہ آسکا یہاں تک کہ امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ حسن میری ساری تصانیف لے لیں اور یہ ملفوظات مجھے دیدیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی زبان بیحد دلنشیں ہے، ہر فقرہ اپنی جگہ گوہر آبدار ہے، ہر جملہ سہل ممتنع کی مثال ہے۔ اس کا اردو ترجمہ جناب خواجہ حسن نظامی ثانی دہلوی نے کیا ہے جو بازار میں دستیاب ہے۔

احرار [1] کے ارشادات کا مجموعہ جسے "سلسلة العارفین" [2] کے نام سے مولانا محمد قاضی نے مرتب کیا ہے، میری نظر سے گذرا تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں بھی اپنے مرشد قطبِ دائرۂ ولایت برزخِ غیب و شہادت، فرد الافراد، رأس الاوتاد، مرشدِ مرشدان، دستگیرِ مسترشدان، خضرِ طریقت، بحرِ شریعت، نقشبندِ عصر، جنیدِ دہر، عبیداللہ معاش، ولی تراش، سرِ دفترِ صدیقین خواجۂ اربابِ یقین، نائب رسول اللہ، جناب سید خواجہ رحمت اللہ اوران کے مریدوں اور خلفاء کا تذکرہ لکھ کر اُن لوگوں کے دل و دماغ کو معطر کردوں جن کے دل اولیائے کرام کے ذکر سے کِھلی کلیوں کی طرح مہک اٹھتے ہیں، کیونکہ ارشاد ہے عِندَ ذکرِ الاَولیاءِ تَنزِلُ الرحمۃُ (اولیاء کے تذکرہ کے وقت رحمتِ حق نازل ہوتی ہے)۔ ممکن ہے کہ اس تذکرہ سے قارئین کے دل سے میرے لئے دعاء نکل جائے اور یہ حقیر مصنف بھی جو بے پروبال اس دنیا کے پنجرہ میں بند ہے، اس کے پر بھی کھل جائیں اور بزرگوں کے صدقہ میں ان کی اتباع کرتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ کُلُّ امرٍ مَرھونٌ بوَقتِہٖ (ہر کام پورا ہونے کا اللہ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے) کے مصداق اِس وقت ان بزرگوں کے احوال کے ظاہر کرنے کا وقت آپہونچا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اہل ذوق حضرات اس تذکرہ سے لطف اندوز ہوں گے اور ارباب

---

(۱) خواجہ عبیداللہ احرار: خواجہ ناصرالدین عبیداللہ نقشبندی کا شمار مشائخِ ترکستان اور اکابرِ صوفیائے ماوراء النہر میں ہوتا ہے۔ آپ نے عہد شباب میں شیخ یعقوب چرخی اور نظام الدین خاموشی سے سلوک میں تربیت حاصل کی اور بہت جلد مقامات اعلیٰ پر فائز ہوئے۔ ہزاروں طالبان حق نے آپ سے رشد وہدایت حاصل کی۔ سلاطینِ وقت آپ کے احکام وارشادات سے سرِ موانحراف نہیں کرتے تھے۔ حضرت سلطان ابوسعید جیسے بادشاہ آپ کا بڑا ادب کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی سواری کے ساتھ پیادہ پا چلتے تھے۔ خواجہ عبیداللہ احرار نے ۸۹۶ھ (1491ء) میں سمرقند میں وفات پائی۔

(۲) سلسلۃ العارفین خواجہ عبیداللہ احرار کے ملفوظات ہیں جنہیں مولانا محمد قاضی نے مرتب کیا تھا جو آپ کے صاحبزادے تھے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں نفحات الانس اور رشحات۔

بصیرت اپنی پسندیدگی کا اظہار کریں گے۔ ملہمِ غیب کے لطف وکرم سے اس تذکرہ کا نام "بحر رحمت" قرار پایا اور اس کی تاریخِ اختتام یوں نظم ہوئی:

گوہرِ احوالِ خاصانِ خدا   چون قلم از مِثقبِ اظہار سُفت
خواستم تاریخش از غواصِ فکر   "بحرِ رحمت یک بیک زد جوش" گفت

۵ ۱ ۲ ۴ ۰

ترجمہ: خاصان خدا کے پوشیدہ حالات کے موتیوں کو جب قلم نے اظہار کی سوئی سے چھید کر پرو دیا، تو غور وفکر کے غوطہ خور سے جب میں نے اس کی تاریخ طلب کی، اس نے کہا "رحمت کا سمندر یکایک جوش میں آ گیا" (خط کشیدہ عبارت سے ۱۲۴۰ھ تاریخ نکلتی ہے)۔

واقفِ اسرارِ سبحانی، مفتی الطریقت، مولوی ارتضٰی علی خان بہادر نے بھی اس کے اختتام کی دو تاریخیں ایک عربی اور دوسری فارسی میں یوں نظم کی ہیں:

کتاب عزیز فیہ کنز من اسرار   لعلم کمیزان لفہم کمعیار
اذا کان مختارا لاھل بصیرۃ   لقد صار تاریخہ فی لفظ "مختار"

(ترجمہ: ایک بہت ہی عمدہ کتاب جس میں اسرار کے خزانے پوشیدہ ہیں، علم و دانش کیلئے میزان کا درجہ رکھتی ہے، اور فہم وادراک کے لئے معیار وکسوٹی ہے۔ جبکہ یہ کتاب اہل بصیرت کی اختیار کردہ ثابت ہوئی، تو اس کی تاریخ لفظ "مختار" سے بن گئی)۔

چوں بو سعید والاؔ کز منبعِ دلِ او   ہر لحظہ می تراود اسرارِ اہل عرفان
با نثرِ پر لطافت تالیفِ بحر رحمت   فرمودہ کرد شائع انوارِ اہل عرفان
بودم بفکرِ سالِ تاریخِ اختتامش   الہام شد ز ہاتف "اخبار اہل عرفان"

ترجمہ: حضرت ابوسعید والاؔ جن کے دل کے چشمہ سے ہر لحظہ اہل عرفان کے اسرار کا

زُلال ٹپکتا رہتا ہے، انہوں نے جب انتہائی پر لطافت نثر میں ''بحرِ رحمت'' تالیف کر کے اہل عرفان کے انوار پھیلا دیے تو میں اس تالیف کے اختتام کی تاریخ کی فکر میں تھا، تب ہاتف غیبی نے الہام کیا کہ یہ تو اہل عرفان کے احوال ہیں (''اخبار اہل عرفان'' میں تاریخ نکلتی ہے)۔

خصوصیاتِ تصنیف :

روشن ضمیروں کے دلوں پر جو کہ اصلی خورشید (مبدأ فیاض) کی شعاعوں سے استفادہ کرتے رہتے ہیں، یہ بات واضح ہو جائے گی کہ خواجہ علیہ الرحمۃ کے حالات اور ان کی کرامات کا جو ذکر ان کے خلفاء کی تحریرات و فرمودات میں نظر آیا، یا میں نے ان اصحابِ فضل وتقویٰ سے سنا جو نہایت قابلِ اعتماد و معتبر ہوتے ہیں، میں نے بلا کمی و زیادتی کے لکھ دیا ہے۔ البتہ میں نے وہ چیزیں حذف کر دی ہیں جو پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچیں، اگرچہ وہ بھی آب و تاب میں گوہرِ آبدار سے کم نہ تھیں لیکن پایۂ اعتبار سے ساقط ہونے کی بناء پر میں نے آنسوؤں کی طرح نظر سے گرا دیا ہے۔ باوجود اس کے اگر کوئی متعصب شخص اس عاجز کی حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ سے نسبت کو بہانہ بنا کر کرامات و حالات کے انکار کا راگ الاپنے لگے تو وہ خود اپنے دل کو حسرت و حسد کے زخم پہونچائے گا اور کچھ نہیں۔

انتہائی عقیدت و محبت سے یہ ناچیز سچائی کے ساز پر نغمۂ حق گا رہا ہے اور اس طرح زاہدانِ خشک مغز کے دل و دماغ کو اپنے ترنُّم سے ترَوتازہ کر رہا ہے۔

میں نے اس سفینہ (کشتی) کیلئے چار تفصیلی موجین مقرر کی ہیں اور ''بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا''[1] کی آیت کریمہ کو اس کا بادبان بنایا ہے۔ اس ''بحرِ رحمت'' کی ہر ''موج'' لطافت خیز دھاروں سے بھرپور ہے اور ہر ''سیلابہ'' (دھارا) ذکر کے موتیوں سے

---

(۱) طوفانِ عظیم کے وقت نوح علیہ السلام کا جہاز اس کلمہ طیبہ سے چلا کرتا اور لنگر ڈالا کرتا تھا۔

معمور۔[1]

ابواب کی تقسیم :

باب اول: خواجہ علیہ الرحمۃ کے بعض مرشدانِ راہ سلوک، برادرانِ طریقت اور آنجناب کے زرّین سلسلہ ہائے طریقت کی تفصیل (سلسلہ ہائے قادریہ، رفاعیہ، چشتیہ، نقشبندیہ)۔

باب دوم: اوتاد و ابدال کے اس سردار کے مبارک حالات، عادات اور معمولات کے بارے میں۔

باب سوم: اس مصدر کشف و کرامات کی خرقِ عادات و کرامات کا تذکرہ۔

باب چہارم: خواجہ علیہ الرحمۃ کے مریدانِ باشرف اور فیض یافتگانِ دربارِ خواجہ علیہ الرحمۃ کا تذکرہ جنہوں نے اپنی پرسکون و خاموش زندگی میں مقصود و مدعا کا باب کھول رکھا ہے، اور بندگان خدا کو فیض یاب کررہے ہیں۔

---

(۱) مصنف نے اس کتاب ''بحر رحمت'' کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے، ہر باب کو ''موج'' کا نام دیا ہے، اور ہر موج میں فصلیں مقرر کی ہیں، ہر فصل کو ''سیلابہ'' کا نام دیا ہے۔

موج اول (پہلا باب)

کشافِ دقائق یقین مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہ [1] فرماتے ہیں کہ ہمارے پیر و مرشد شروع شروع میں نسبت اویسیہ [2] رکھتے تھے، ایک روز اچانک اپنے دولت کدے سے سید شاہ محمد گیسودراز بندہ نواز کے مزارِ فیض بار کی زیارت کے شوق میں نکل کھڑے ہوئے اور گلبرگہ پہونچ کر آپ کی روحِ پرفتوح سے فیوض و برکات حاصل کئے۔

حضرت سید علوی بروم اور حضرت سید عبداللہ بروم

پھر حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے حضرت سید علوی بروم قدس سرہ [3] سے شرفِ بیعت حاصل فرمایا۔ سید علوی بروم کے والد دِیارِ عرب سے ہندوستان آئے تھے اور یہاں آکر بیجاپور کو وطن بنالیا۔ اس شہر نے آپ کے وجود کی نورانیت سے بڑا فیض حاصل کیا اور اسی شہر میں آپ نے اکیس (۲۱) ذیقعدہ کو وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت جعفر

(۱) حضرت خواجہ کے ممتاز مریدوں میں سے تھے اور قندھار (مہاراشٹرا) کے رہنے والے تھے، انوار القندھار آپ ہی کی تالیف ہے۔ آپ کے تفصیلی حالات باب چہارم میں مذکور ہیں۔

(۲) جو لوگ بظاہر کسی مرشد کے مرید ہوئے بغیر راہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہیں یا کسی بزرگ کی روح پرفتوح سے فیضیاب ہوتے ہیں "اویسی" کہلاتے ہیں، یہ کسی سلسلے میں بیعت نہیں ہوتے لہٰذا انہیں نسبت اویسیہ کا حامل کہا جاتا ہے۔ اویسِ قرنی رحمۃ اللہ علیہ مخضرم تھے، اور حضور اقدسؐ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے، مگر ملاقات و رویت کا شرف حاصل نہ کر سکے تھے، حضورؐ بھی انہیں بے حد چاہتے تھے۔

(۳) آپ کا مزار بیجاپور میں علی عادل شاہ کے گنبد کے قریب سقاب روضہ کے احاطہ میں ہے۔ بازو ہی آپ کے والد عبداللہ بروم کا مزار ہے۔ آپ نے اردو میں ایک قصیدہ بردمائیہ بھی تحریر کیا تھا۔ آپ کے وارثِ حال سید چراغ الدین صاحب بیجاپور کی جامع مسجد کے قریب "مسلمانوں کے محلّے" میں رہتے ہیں، بہت بااخلاق بزرگ ہیں۔

سقاب سقی اللہ ثراہ کے متصل ہے۔آپ کا تعلق ساداتِ حضرموت سے تھا اور آپ اپنے والد سید شاہ عبداللہ بروم کے مرید تھے۔آپ کا سلسلۂ ارادت ایک طرف سید عبداللہ حداد سے اور دوسری طرف سید عبداللہ بافقیہ سے جاملتا ہے۔حضرت سید علوی بروم اشرف الشرفاء صاحب مقامات عالیہ، مصدرِ کشف و کرامات تھے۔ جناب خواجہ علیہ الرحمۃ آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مالک الرقاب، محبوبیت مآب' واسع الکرم، غوثِ اعظم کے زرین سلسلہ میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہ کر بڑی ریاضتیں کیں اور مراتب عالیہ پر فائز ہوئے۔

حضرت سید اشرف مکیؒ

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے تیسرے پیر آل رسول، جگر پارۂ بتول، اشرف الجانبین، نور الکریمین، سید السادات، قطب الاقطاب، حضرت سید اشرف مکی عجلاتی اشرف الأولیاء ہیں(روح اللہ روحہ و اعاد الینا فتوحہ)۔

حضرت سید اشرف مکی کے چار خلفاء ہندوستان میں

اس میزابِ گلشنِ وحدت نے اپنے پُر بہار چمن سے چار خلفاء جو دراصل چار گلزارِ ہدایت تھے یکے بعد دیگرے ہندوستان روانہ کئے' تا کہ یہاں کے چمن کی بلبلیں اُن پھولوں کی ہمدمی اور ہم نشینی کے فیض سے ذکرِ حق کے زمزمے بلند کرتے ہوئے سیر فی اللہ میں مشغول رہیں۔

ان کے حکمِ قضا تاثیر کی پھوار کا پڑنا ہی تھا کہ: (۱) جناب خواجہ علیہ الرحمۃ نے کرناٹک میں قصبۂ نیلور کے مغرب میں بارہ کروہ کے فاصلے پر واقع الکۂ کرناٹک میں سکونت اختیار کی۔(۲) جناب شیخ علی مکی رضی اللہ عنہ نے دکن کے جنت نظیر شہر اورنگ آباد کو وطن بنایا۔(۳) شاہ نصر اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بندرگاہ سورت میں قیام کیا۔(۴) اور جناب سید عبدالقادر قدس سرہ نے نزہت آباد دہلی میں بود و باش اختیار کی۔

فصل (۱)

حضرت اشرف الاولیاء مکہ معظمہ کے مشہور مشائخ اور کعبۂ شریف کے شیخ الشیوخ تھے، دنیا بھر کے بھٹکے ہوئے لوگوں کو شاہراہِ ہدایت دکھاتے تھے، اور طالبانِ حق کو مطلوب تک پہنچاتے تھے۔ اس وادی کے تمام شیر انہی کی زنجیر سے بندھے (آپ ہی کے سلسلے سے وابستہ) تھے اور آپ ہی کے دسترخوانِ رشد وہدایات سے فیض کے لقمے چنتے تھے۔

حاجی حرمینِ شریفین (جناب) عبدالکریم جو حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے مرید اور خواجہ کوچک قدس سرہ کے داماد ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے ارباب حل وعقد میں سے تھے اور جن کا تکیہ (خانقاہ) بھی مکہ معظمہ میں تاحال زینت بخشِ جہاں مشہور ہے، فرماتے تھے کہ میں نے وہاں کی بڑی بڑی ثقہ ہستیوں سے سنا ہے کہ ایک دن جناب اشرف الاولیاء پر حجر اسود کے سامنے جو اولیاء کرام کا آئینہ ہے وجد طاری ہوگیا۔ ان کی بصیرت افروز آنکھوں نے جو کچھ اس میں دیکھا اسے اس طرح فرمایا کہ ''(اس آئینہ میں) مجھے اپنے ایمان کا کوہ طور، رفعت وتجلی اور بزرگی میں کوہ ابوقبیس[۱] کی مانند نظر آتا ہے''۔ آپ کی ولادتِ باسعادت بھی مکہ مکرمہ میں ہوئی اور وہیں تیسویں[۳۰] محرم الحرام کو رحمتِ حق سے پیوست ہوئے، آج بھی آپ کا مزار مبارک مکہ معظمہ کے مقبرۃ المعلیٰ[۲] میں زیارت گاہِ خلائق اور تجلی گاہِ انوارِ خالق ہے۔

حضرت مصنف کے والد، دادا، اور تایا کے نام اور حضرت اشرف مکی کی ہمشیر کا ذکر

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میرے والد سید ابو طیب امامی اپنے والدِ بزرگوار سید زین العابدین امامی اور اپنے بڑے بھائی (مصنف کے تایا) سید ضیاء الدین امامی کے تعلق سے فرماتے تھے کہ یہ دونوں حضرت شیخ علی مکی قدس سرہ کی صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ فرماتے

---

(۱) مکہ کا ایک مشہور اونچا پہاڑ۔ (۲) مکہ معظمہ کا مشہور قبرستان۔

ہیں کہ میں نے بارہا انہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت اشرف الاولیاء کی ہمشیر اپنے زمانہ کی رابعہ (۳) تھیں اور جب وہ اس دنیا سے کوچ کرنے لگیں تو ہمارے شیخ قدس سرہ نے اپنی روح و دل کے جیب و دامن ان کے فیوض و برکات کے موتیوں سے بھر لئے۔

مکہ مکرمہ میں حضرت اشرف مکی کے ایک مرید کا ذکر

کشّافِ دقائقِ یقین مولوی شاہ محمد رفیع الدین فرماتے تھے کہ میں نے مکہ معظمہ میں ان کے ایک ایسے مرید کو بے حد تلاش کرنے کے بعد ڈھونڈ نکالا جنھوں نے چاند کی طرح بغیر کسی واسطے کے جناب اشرف الاولیاء کے خورشیدِ ذات سے نورِ فیض و برکات حاصل کیا تھا، بمصداق اس آیت شریفہ کے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ" (وہ لوگ جنہیں خرید و فروخت اور تجارت بھی ذکرِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی) ہمیشہ ہاتھ تو تجارت میں لگے رہتے مگر ان کا دل ہر وقت یادِ حق (تعالیٰ شانہ) کے ساتھ مشغول رہتا تھا، اور جو ہر دم بازار میں رہنے کے باوجود بھی گوہرِ یگانۂ وحدت کی خریداری میں رہا کرتے تھے ۔

از دروں شو آشنا واز بروں بیگانہ وش ایں چنیں زیبا روش کم می بوَد اندر جہاں

ترجمہ: (اندر سے تو اس کا یار و آشنا رہ اور باہر سے بیگانہ دِکھ
لیکن اس طرح کی خوبصورت روش رکھنے والے دنیا میں بہت کم ہیں)۔

انہوں نے ایک دن مجھے اپنے گھر کھانے پر بلایا، جب میں ان کے گھر پہنچا تو انہوں نے نہایت گرم جوشی سے میرا استقبال کیا، اور مجھے اونچی مسند پر بٹھایا۔ میں نے وہاں عربوں کے رسم و رواج کے مطابق دستر خوان مختلف قسم کے کھانوں اور لذیذ غذاؤں

---

(۱) حضرت رابعہ عدویہ شہر بصرہ کی مشہور ولیہ گذری ہیں۔ (714-801 عیسوی)

سے نہایت عمدہ طرز پر سجا ہوا دیکھا۔ حبشی غلام خدمت کیلئے اس طرح صف باندھے ہوئے کھڑے تھے جس طرح آنکھوں کے باہر پلکوں کی صف ہوتی ہے۔ ان صاحب نے میری طرف دیکھ کر کہا کہ ان لوگوں نے بہت محنت سے یہ کھانے تیار کئے ہیں اور پھر آپ کی خدمت کیلئے صف بستہ کھڑے ہیں' لہٰذا مروت کا تقاضہ یہی ہے کہ پہلے انہیں کھانا کھانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے کہا بہت بہتر ہے۔ پھر انہوں نے غلاموں کو دستر خوان پر بلا کر اتنا کھلایا کہ سیر ہو کر انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا، اس کے بعد مجھے اپنے بیٹوں اور دوست واحباب کے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔

فصل (۲) حضرت شیخ علی مکی قدس اللہ سرہٗ العزیز

میرے والد کہتے تھے کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ پیشوائے اتقیاء، سرگروہِ اولیاء، بلبلِ بہارستانِ سیر فی اللہ، عارف باللہ، واصل الی اللہ، کلیدِ درِ گنجِ مخفی حضرت شیخ علی مکی قدس سرہٗ نے کڑی ریاضتوں کے ذریعہ ایسا جہاد اکبر کیا تھا کہ ان کا نفسِ امارہ خاک میں مل گیا تھا، اور انہوں نے تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ ان کا ایک خادم تھا ''بھولا'' جو ہتھیلی کے برابر بے روغن و بے نمک چنے کی روٹی جسے ہندی میں چنڈول کہتے ہیں، ہندوستان کے اس بلبل ہزار داستان کے لئے پکاتا تھا۔ اس میں سے آدھی روٹی وہ آپ کے سامنے رکھ دیتا تھا، حضرت اسے دو چار گھنٹے اپنے سامنے رکھنے کے بعد جب بھوک کی آگ بجھ جاتی تھی کھا لیتے تھے۔ اس دوران اگر نفس کا میلان اس کے کھانے کی طرف بہت زیادہ ہوتا تو نفس سے کہتے تھے کہ ''اے ملعون صبر کر کیوں جلدی کرتا ہے''۔ غرض رات اور دن صرف اس روٹی کے ٹکڑے پر قناعت کرتے۔

صوفی تک تک کا ذکر

میرے والد مرحوم یہ بھی کہتے تھے کہ فقر و استغنا کے اس شہنشاہ نے اشرف الاولیاء کے جلیل القدر حکم پر اگرچہ اورنگ آباد میں قیام کر کے خلقِ خدا کے رشد و ہدایت کا کام شروع کر دیا تھا، لیکن ان کے دل کے گوشہ میں سارے جہاں کی سیر و سیاحت کا شوق بھی پوشیدہ تھا۔ جب یہ مخفی راز باطنی طور پر اشرف الاولیاء پر منکشف ہوا تو انہوں نے توران کے ایک صوفی کے ذریعہ جن کا نام صوفی تک تک تھا، اور جو اشرف الاولیاء سے بیعت کیلئے اپنے وطن سے آئے ہوئے تھے، مثلِ حکمِ تقدیر حضرت شیخ علی مکی کو یہ لکھ بھیجا کہ صوفیوں کی تربیت پر توجہ دی جائے اور سیر و سیاحت کا ارادہ ترک کر دیا جائے۔ اور رخصت کرتے وقت یہ احکام بھی صادر فرمائے کہ ایک شخص سیاہ رنگ، اتنے قد و قامت کا' کالی کملی شانوں پر ڈالے صبح سویرے جامع مسجد میں آئے گا، میرا خط اس کے حوالے کر دینا۔ صوفی تک تک رخصت ہو کر نہایت تیزی سے خجستہ بنیاد اورنگ آباد پہنچے' اور شناخت کی جو علامتیں ان کو بتائی گئی تھیں ان کی مدد سے شخصِ مذکور کو پہچان کر وہ خط ان تک پہونچا دیا۔ موصوف نے خط کی مہر اور اندازِ تحریر دیکھ کر خط چوم لیا اور اسے اپنی دستار میں رکھ لیا۔ اس کے بعد اُن صاحب نے کچھ اس طرح گوشہ نشینی اختیار کر لی جس طرح اسمِ ذات عارف کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اور دل سے سیر و سیاحت کا ارادہ ترک کر دیا۔

کہتے ہیں کہ وہ صوفی اس قدر زیادہ کھانے والے تھے کہ سیر ہی نہ ہوتے تھے' شیخ کے حکم کے بموجب مریدوں نے ان کی دعوت اور خاطر و مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ انواع و اقسام کی غذاؤں سے بھرپور دسترخوان ان کی ضیافت کیلئے چنے گئے۔ مگر جس طرح عاشق کبھی دیدارِ معشوق سے سیر نہیں ہوتا اسی طرح اُن صوفی کا پیٹ بھی نہیں بھرتا تھا، فقیر

کے دادا نے بھی حضرت شیخ کے ارشاد کے بموجب صوفی کی دعوت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

بالآخر قطبِ دائرۂ کرامت یعنی خود پیرومرشد نے تمام مریدوں پر نظر کرم فرمائی' صوفی اور تمام ارادتمندوں کیلئے جو ہمیشہ مثل جوزا[1] اپنے شیخ کی خدمت میں کمربستہ کھڑے رہتے تھے ایک ضیافت کا اہتمام کیا۔ ہرایک کے سامنے پاؤ پاؤ سیر وزن کی دو دو چپاتیاں جو مثل شمس وقمر شفاف اور نورانی تھیں رکھی گئیں، اوران کے ساتھ ایک ایک چھوٹا پیالہ بھر شوربا بھی رکھا گیا۔ تمام اصحاب ستاروں کی طرح جمع ہوکر دسترخوان پر تشریف فرما تھے، کھانا شروع ہوا۔ اسی دوران شیخ نے صوفی کی طرف ایک نظر ڈالی جس طرح ستارے جھلملاتے ہیں اس طرح دونوں کی نگاہیں ملیں۔ ابھی صوفی نے اپنے حصے کی نصف غذا بھی پوری نہیں کھائی تھی کہ ان کی بھوک کی آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ صوفی ان کے دسترخوانِ تصرف پر ایسا سیر ہوا کہ زندگی بھر وہ اس مقدار سے زیادہ کبھی کھانہ سکا۔ اور شیخ کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ تمام ارادتمندوں سے زیادہ اس نے شیخ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔

فصل (۳) نواب نظام الدولہ شہید

نواب[۲] نظام الدولہ شہید نے پایانگھاٹ[۳] کی مہم پر جاتے ہوئے استعانت کی خاطر شیخ کی بارگاہ میں حاضری دی اور اپنا مقصد پیش کیا۔ حضرت نے ان کا التماس سن کر بھولا

(۱) جوزا۔ قمری منازل میں سے ایک برج کا نام ہے۔ اس کی تصویر ایک کمربستہ عورت کی طرح ہے۔

(۲) نواب نظام الدولہ ناصر جنگ، آصف جاہ نظام الملک میر قمرالدین چین قلیچ خان کے بیٹے تھے، 1741ء میں اپنے والد کے خلاف بغاوت کی اور شکست کھا کر قید ہوئے اور ان کو اس خطاب سے محروم کردیا گیا۔ آصف جاہ کے بعد انہوں نے زمام حکومت سنبھالی مگر ان کے بھانجے مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کی مدد سے حکومت کا دعویٰ کیا، گو دونوں میں صلح ہوگئی مگر بعض مفسدوں کی شرارت سے نواب نظام الدولہ ناصر جنگ شہید ہوگئے۔ ناصر جنگ نے ۱۱۶۱ھ سے ۱۱۶۴ھ (1748ء سے 1751ء تک) حکومت کی۔ (بقیہ حاشیہ ۳ اگلے صفحہ پر)

خدمت گار کو حکم دیا کہ فلاں شخص نے جو کمان ہدیۃً پیش کی تھی وہ گھر کے کونے میں پڑی ہے لے آؤ اور نواب صاحب جو لڑائی پر جارہے ہیں ان کے سپرد کردو۔ مگر مشیت ایزدی میں نواب کی شہادت لکھی ہوئی تھی، لہٰذا اس نے حضرت کے منشاء کو نہ سمجھ کر گستاخانہ لہجے میں کہا کہ میں تو باطنی مدد کا طلبگار ہوں اگر حضرت دعاء فرمادیتے تو میری مراد برآتی' یہ اسباب ظاہری کیا کروں یہ تو ہر جگہ مل جائیں گے۔ جب جناب شیخ نے یہ بات سنی تو برہم ہوگئے اور فرمایا کہ کاتب تقدیر کے ہاں تیری مراد کی بیل کا پھلنا پھولنا نہیں لکھا (تو میں کیا کرسکتا ہوں) یعنی اب یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی۔ نواب شیخ کا ارشاد سن کر چونک اُٹھا اور قدمبوسی کرتے ہوئے عرض کی کہ آپ سے ملاقات کے شرف کے پیش نظر کم سے کم میرے حُسنِ خاتمہ (خاتمہ بخیر ہونے کی) دعاء فرمادیں۔ شیخ کو رحم آگیا اور انہوں نے اس کی آخرت کی بھلائی کیلئے دعائے خیر فرمائی۔ یہاں سے نواب نے زادِ آخرت تیار کرکے کرناٹک کا رخ کیا (شہید ہونے چلا)۔

فصل (۴) سید لشکر خان کا ذکر

سید لشکر خان[1] کو نواب آصفجاہ طاب ثراہ کے دربار میں بڑا عروج حاصل تھا، اور وہ دیوان کے منصب پر فائز رہے۔ اس بلند جاہ و مرتبہ کے باوجود وہ نہایت نیاز و ادب کے

گذشتہ صفحہ کا حاشیہ

(۳) ''پایان گھاٹ'' یہ علم جغرافیہ کی ایک اصطلاح ہے۔ جزیرہ نمائے ہند کے مغربی ساحل کو ملابار اور مشرقی ساحل کو کارومنڈل کہتے ہیں۔ ملابار ساحل سے لگا ہوا پہاڑی سلسلے جو پونا سے ہوتا ہوا جنوب تک چلا گیا ہے بالا گھاٹ کہلاتا ہے۔ اور ساحل کارومنڈل کے پہاڑی سلسلے کٹے پھٹے ہیں اور ان کی اونچائی بہت کم ہے' اسلئے یہ بالا گھاٹ کے بالمقابل پایان گھاٹ کہلاتے ہیں۔ انکے کم بلند ہونے کی وجہ سے جنوبی ہند کے تمام دریا مغرب سے مشرق کی طرف بہتے ہیں۔ (قدیری)۔

(۱) آصفجاہ کے چار دیوان تھے، سید لشکر خان ان میں سے ایک تھے، یہ ناصر جنگ کے (بقیہ اگلے صفحہ پر......)

ساتھ حضرت شیخ علی مکی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک دن انہوں نے حضرت شیخ علی مکی قدس سرہٗ کے روبرو وحدت الوجود کے مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے بحث کے دوران کچھ ایسی باتیں بھی کہہ دیں جو خلاف شرع شریف تھیں۔ حضرت جو لشکر خان کو بے حد چاہتے تھے، مگر الحُبُّ للهِ والبُغضُ للهِ (یعنی دوستی بھی خدا کیلئے اور دشمنی بھی خدا کیلئے) کے مصداق انہیں غصہ آ گیا۔ اپنا عصا ان کی پیٹھ پر مار کر فرمایا کہ جاؤ یہاں سے چلے جاؤ اور آئندہ کبھی ایسی گفتگو نہ کرنا جو عام لوگوں کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ وہ فوراً وہاں سے اٹھ کر حجرے کے دروازے کے پیچھے چھپ گئے۔ جب شیخ کے غصہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو انہوں نے بڑے پیار ومحبت سے نواب کو آواز دی، سنتے ہیں جس طرح اشک ندامت آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں اسی طرح نواب دروازہ کے پیچھے سے اچھلے اور شیخ کے قدموں پر گر پڑے۔ شیخ نے ان کے سر پر دست شفقت پھیرا اور اس طرح اسرارِ موعظت بیان فرمائے کہ تاثیر ہویت کی خاصیت یہی ہے کہ وہ تاج شاہی کو کشکولِ گدائی بتلاتی ہے، اور اسی طرح حرفِ غیر کو صفحۂ نیستی سے دور کر دیتی ہے۔

فصل (۵) اورنگ آباد کا ایک حاکم

ایک کور باطن شخص اورنگ آباد کا حاکم تھا۔ اس کا ایک مصاحب تھا، جو اندھی آنکھ کی بے رونق پلک کی طرح اس کے مزاج میں نہایت دخیل تھا، اور اس تقرب پر بڑا ناز کرتا تھا۔ ایک دن اس حاکم نے اپنے مصاحب سے دریافت کیا کہ مشائخین میں سے کوئی ایسا

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ......) ہمراہ کرناٹک گئے تھے، مگر ناصر جنگ نے بدقسمتی سے انہیں دکن روانہ کر دیا۔ اورنگ آباد کی شورش دور کرنے کیلئے بھی ناصر جنگ نے سید لشکر خان کو روانہ کیا تھا، اگر ناصر جنگ انہیں اورنگ آباد نہ بھیجتے تو شائد خود شہید نہ ہوتے۔ لشکر خان ہمیشہ فرانسیسیوں کو شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔

بھی ہے جو یہاں مسجد میں نہیں آتا'اس نے کہاہاں ایک صاحب شیخ علی مکی ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ بہت برافروختہ ہوااور اپنے ملازمین کو بھیجا کہ انہیں لے آئیں۔ جب شیخ تشریف لے آئے تب بھی وہ فرش کے پتھر کی طرح اپنی جگہ انتہائی غرور ونخوت سے بیٹھا رہا، مگر اٹھ کر شیخ کی تعظیم نہ کی بلکہ یہ حیلہ کیا کہ معاف کیجئے میں درد شکم کی بناء پر اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ سنتے ہی شیخ کی آتش غضب بھڑک اُٹھی، اس بدبخت سے فرمایا باوجود تکلیف و حرج کے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے بموجب حکم "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" (اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرواور اپنے حاکموں کی) میں حاضر ہوگیا، مگر تو بغیر کسی تکلیف کے حکم "لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ" (نہ اندھوں پر کوئی حرج ہے اور نہ بیماروں پر کوئی حرج ہے) کی آڑ لے کر منکر ہوگیا۔ غرض شیخ اس کے آلودہ فرش پر نہیں بیٹھے اور فوراً وہاں سے اس کی جان جلاتے ہوئے لوٹ آئے۔ ابھی ایک پہر نہ گذرا تھا کہ وہ فرعون صفت حاکم شدید درد ِشکم میں مبتلا ہوکر موت کے نیل میں غرق ہوااور اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا۔

بتایا جاتا ہے کہ حَبسِ دم کی کثرت سے شیخ کی ظاہری بصارت جاتی رہی تھی، وہ رات بھر میں صرف چار مرتبہ سانس لیتے تھے۔

فصل (٦) ایک مرہٹے کی بے ادبی اور اس کی سزا

حاجی خواجہ عبداللہ خان بلخی کے بیٹے خواجہ رحمت اللہ خان جو کہ جناب قبلہ حاجات کعبۂ مرادات غوث صمدانی محبوب ربانی سید احمد کبیر طاب ثراہ کی صحیح النسب اولاد میں سے تھے، اور نواب دین پناہ آصف جاہ کے دربار کے خاص مصاحبین میں ان کا شمار ہوتا تھا، ایک دن وہ شیخ علی مکی قدس سرہٗ کی زیارت کو حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ حسن و جوانی میں

بے نظیر ایک مرہٹہ سردار بھی تھا، اس بے ادب نے شیخ کی محفل میں بے انتہا گستاخی سے کام لیا، اور جوانی کی نخوت اور سرداری کے نشہ میں اس نے شیخ کو نابینا سمجھ کر اپنے پاؤں ان کی طرف دراز کر دیے۔ شیخ نے اپنی چشم بصیرت سے دیکھ لیا اور غصہ میں رحمت اللہ خان کو مخاطَب کر کے فرمایا ''رحمت اللہ خان! اس کافر نے مجھے نابینا سمجھ کر میری طرف پاؤں پھیلا دیے ہیں، اٹھ اور اسے مارتا ہوا یہاں سے لے جا! کیا کروں تیرے باپ کی صورت درمیان میں ہے، اس لئے خاموش ہوں''۔ خانِ موصوف یہ حکم سن کر فوراً اُٹھے اور افسوس کرتے ہوئے اپنے مکان کا رخ کیا۔ وہ ملعون بھی ان کے پیچھے پیچھے اٹھا، شیخ کے قہر وغضب کی شدت سے وہ اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ حضرت کے حجرہ کی سیڑھیوں سے اترتے وقت پھسل کر گر پڑا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا، جس طرح مُردے کو جنازے میں ڈال کر لے جاتے ہیں اسی طرح اسے بھی ایک پالکی میں ڈال دیا گیا، جس میں روتا کراہتا وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

فصل (۷) حضرت شیخ علی مکی کا کشف اور نفس کُشی

میرے دادا نے میرے والد کو بچپن میں شیخ علی مکی قدس سرہٗ کی غلامی کے پالنے میں ڈال دیا تھا، جب وہ جوان ہوئے تو ان کی خدمت کیلئے اور انہیں وضو کرانے کیلئے روزانہ پانی کا ایک کوزہ تکیۂ باباشاہ مسافر پلنگ پوش قدس سرہٗ کے حوض سے بھر لایا کرتے اور اس طرح ثوابِ دارین حاصل کرتے تھے۔ انہوں نے ایک حکایت بیان کی کہ ایک دن میں حسب معمول گھڑا کندھے پر اٹھا کر حضرت کی خدمت میں پہونچا، ابھی گھڑا زمین پر رکھ کر دروازے کے باہر نکلا ہی تھا کہ اچانک میری نظر گولر کے درخت پر پڑی، جو آپ کے صحن پاک میں اُگا ہوا تھا، اس پر پھل لگے تھے۔ بے اختیار میرے دل میں پھل کھانے کی

خواہش پیدا ہوئی۔ اس اثناء میں جنابِ شیخ نے نماز اشراق اداء کرنے کے بعد دروازہ کھولا، اور سورج کی شعاعوں کی طرح ان کی نگاہیں مجھ پر پڑیں۔ میں نے ذرہ کی طرح فوراً قدمبوسی کی اور ضروری آداب بجالایا۔ فرمایا گھڑے کو اس کی جگہ اندر رکھ آؤ۔ جب میں گھڑے کو اس کی جگہ رکھ کر واپس لوٹا تو انتہائی محبت سے مجھے اپنے قریب بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ تیرا دل گولر کھانے کو چاہتا ہے نا؟ میں نے عرض کی جی ہاں! انہوں نے اپنا عصا میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ درخت پر مارو۔ جب میں نے حسب الحکم ایسا ہی کیا، تین پکے ہوئے پھل جو مٹھاس اور شکل میں بالکل انجیر جیسے تھے، زمین پر گر پڑے۔ اس میزابِ گلشن وحدت نے حدیث نبوی ﷺ کے مطابق کہ "اللہ وتر یحب الوتر" (اللہ طاق ہے اور طاق عدد اسے پسند بھی ہے) ایک دانہ مجھے عنایت فرمایا' دوسرا دانہ میری بہن کو مرحمت فرمایا، تیسرے کے دو ٹکڑے کر کے آدھا اپنے خدمتگار بھولا کو دیا اور آدھا اپنے سامنے رکھ لیا اور لگے نفس سے جہاد کرنے۔ میں جب تک ان کی خدمت میں رہا، انہوں نے اسے نہ کھایا، جب بھی ان کا دل کھانے کو چاہتا وہ نفس سے کہتے "ملعون صبر کر کیوں جلدی کرتا ہے"۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے بعد میں وہ نصف ٹکڑا کھالیا یا کسی اور کو دے دیا۔

فصل (۸) مصنف کے والد' حضرت شیخ علی مکی کی خدمت میں

میرے والد فرماتے تھے کہ جب اُن کے والد (میرے دادا جان) کو زیارت حرمین شریفین کا شوق پیدا ہوا تو وہ شیخ علی مکی قدس سرہٗ سے اجازت لے کر سفر حجاز پر روانہ ہوئے اور مجھے ان کی خدمت میں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن میں حسبِ معمول اُنہیں وضوء کروا رہا تھا کہ اچانک وہ میری طرف گھور گھور کر دیکھنے لگے، اور چلو میں پانی بھر کر میرے

منہ پر چھڑکا۔ یہ چیز مجھے آبروئے دارین سے بھی زیادہ قیمتی معلوم ہوئی۔ پھر وہ ٹوپی جو اُس وقت سر مبارک پر اوڑھی ہوئی تھی میرے سر پر رکھ دی، اور اپنے خدمت گار بھولا کو حکم دیا کہ وہ مجھے لے جا کر میرے والد کے حوالہ کر آئیں، میں بے اختیار رونے لگا تو جنابِ شیخ بالکل ایسی ہی شفقت سے جو کسی مہربان باپ کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے، اپنی آستین سے میرے آنسو پونچھنے لگے، پھر مجھے بھولا کے ساتھ روانہ کر دیا۔ بھولا نے ان کے حکم کے مطابق مجھے میرے والد کے پاس پہونچا دیا، جو اس وقت تک سفر کی دو منزلیں طے کر چکے تھے۔ وہ ٹوپی اب تک میرے پاس موجود ہے اور رہر مصیبت کے وقت میرے لئے تعویذ کا کام دیتی ہے۔ مجھے روانہ کر دینے کی غالباً یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انہیں یہ علم ہو چکا تھا کہ عنقریب وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کر جائیں گے۔ ممکن ہے انہوں نے یہ سوچا ہو کہ کہیں میرے بعد یہ بچہ بے نگران نہ ہو جائے۔

واقعۂ وصال اور بابا شاہ محمود کو وصیت

غرض اس واقعہ کے چند روز بعد انہوں نے بابا شاہ محمود[1] کو جو بابا شاہ مسافر پلنگ پوش قدس سرہٗ کے متبنّیٰ اور جانشین تھے، بلا کر بھولا خدمت گار کو حکم دیا کہ میرے حجرے میں فلاں جگہ روپیوں کی تھیلی رکھی ہوئی ہے وہ لا کر شاہ صاحب کے سامنے رکھ دو۔ بھولا یہ خیال کر کے کچھ رُکا کہ میں تو رات دن اس مکان میں آتا جاتا رہتا ہوں جس طرح کہ پاک لوگوں کے سینے میں سانس آتی جاتی رہتی ہے، اور اچھی طرح واقف ہوں کہ گھر میں سوائے

---

(۱) بابا شاہ محمود، بابا شاہ مسافر پلنگ پوش کے خلیفہ تھے، شاہ محمود کو حضرت غلام علی آزاد بلگرامی کے ساتھ رہنے کا بھی شرف حاصل ہے۔ بابا شاہ محمود کے پیر و مرشد کے نام کے ساتھ غجدوانی کا ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

نام خدا کے اور کچھ نہیں۔ جیسے ہی شیخ کو بھولا کے پس و پیش کی کیفیت معلوم ہوئی انہیں غصہ آ گیا، دوبارہ انہوں نے نہایت سختی سے کہا۔ بیچارہ بھولا جھپٹ کر کمرے میں گیا اور وہاں اُسے ایک کونے میں ہزار روپیوں کی تھیلی نظر آ گئی، انتہائی حیرت زدہ ہو کر فوری اُٹھالایا، اور بابا شاہ محمود کے سامنے رکھ دی۔ جنابِ شیخ نے وصیت و نصیحت شروع کر دی کہ کل اِشراق کی نماز کے بعد یہاں تشریف لانا اور اس تھیلی میں موجود رقم سے فقیر کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا، اور مجھے اسی گھر کے صحن میں دفن کر دینا۔ بابا شاہ محمود نے حسب الحکم وہ رقم لے لی اور نہایت افسردہ اپنے گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ دوسرے دن وقتِ مقررہ پر جب وہ تشریف لائے تو دیکھا کہ شیخ اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، اور رحمتِ حق میں پیوست ہو چکے ہیں، بے اختیار آنکھوں سے اشکِ حسرت ٹپک پڑے۔ انہوں نے شیخ کی وصیت کے مطابق اس رقم سے تجہیز و تکفین اور دیگر لوازمات کا انتظام کیا۔ اور انہی کے گھر کے صحن میں ۲ر جمادی الاولیٰ ۱۱۶۶ھ (1753ء) کو ان کی تدفین عمل میں آئی۔ روح اللہ روحَہُ واَعادَ اِلینا فتوحَہُ (اللہ تعالیٰ ان کی روح پر فتوح پر رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کی برکات سے نوازے)۔

فصل (۹) مصنف کے دادا کی حضرت شیخ علی مکی سے وابستگی

فقیر کے دادا سید زین العابدین امامی ؒحضرت شیخ علی مکی قدس سرہٗ کے مریدوں میں سب سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ کئی سال تک وہ ان کے حضور میں قادریہ ونقشبندیہ سلسلوں میں سلوک کی تعلیم حاصل کرتے رہے، اور نہایت اعلیٰ مدارج حاصل کئے۔ طواف حرم مین وہ اس قدر ازخود رفتہ ہو جاتے تھے کہ لوگ ان کے سر اور کاندھوں سے ان کی دستار اور چادر تک چرالیتے تھے، مگر انہیں خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ اکثر وہ اسی حالت میں خورشید عریاں کی طرح گھر لوٹتے تھے۔

مصنف کے دادا کی توران سے ہندوستان کو آمد

اُس زمانے میں جب کہ نادر شاہی فساد کی آگ نے پورے توران کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، انہوں نے اپنے بال بچوں کے ساتھ قصبۂ ''امام'' سے ہندوستان کا رخ کیا۔ چند روز اپنے رشتہ دار خواجہ عبداللہ خان مرحوم کے سایۂ عاطفت میں قیام کیا پھر اس کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کیلئے روانہ ہوئے۔ چار سال مکہ معظمہ میں اقامت پذیر رہے، اور زیارتِ مقاماتِ مقدسہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔

مصنف کے والد کا مکۂ مکرمہ میں حفظِ قرآنِ مجید

چنانچہ اسی زمانہ میں میرے والد نے مکہ کے مشہور شیخ القراء ابراہیم رشیدی قدس سرہٗ کی شاگردی اختیار کی اور اُن کے زیرِ نگرانی کلام پاک حفظ کیا۔ میرے والد ان کے تمام شاگردوں میں ممتاز ہو کر نکلے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ وہ اپنے مرشد کی زیارت کیلئے اورنگ آباد حاضر ہوئے یہاں ۱۰ ربیع الاول ۱۱۶۸ھ (1755ء) میں اس جہان فانی سے کوچ کیا، اور اپنے مرشد کے پائینتی دفن ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْن ۔

قصبۂ امام

''امام'' نام کا بخارا کے قریب ایک قصبہ ہے جسے سلطان سنجر ماضی رحمۃ اللہ علیہ نے آباد کیا تھا۔ انہوں نے یہاں ایک عالیشان اور مینا کاری کیا ہوا گنبد' امام ہمام حضرت حسین علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے اور عالم مثال میں حضرت امام کے فرمان کے بموجب تعمیر کر کے اس قصبہ کا نام امام رکھا۔ اس گنبد کے دروازہ کو مقفل کرنے کے بعد انہوں نے توران کے تمام سادات کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ اس

قفل پر لگائے۔ سب نے ایسا ہی کیا لیکن قفل معمۂ لاینحل کی طرح کسی کے ہاتھ سے نہیں کھلا۔ آخر کار سید عبداللہ اعرج ترمذی جو اٹھائیس واسطوں سے فقیر کے جدامجد ہوتے ہیں، اور چار واسطوں سے ان کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین حضرت علیؓ بن ابی طالب تک پہونچتا ہے، مثل بادِ بہاری اپنے گھر سے تشریف لائے، اور غنچہ کی طرح سر بستہ قفل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ مثل گُلِ نو بہار کھل گیا۔ یہ حال دیکھ کر سلطان سنجر ماضی نے اپنی شہزادی اُن کے حبالۂ عقد میں دے دی، اور ایک جاگیر موسوم بہ سمتی اُن کے نام لکھ دی، اور اس گنبد شریف کو ان کی تولیت میں دے دیا۔ الحمدللہ آج تک یہ یادگار ہمارے اقرباء کے ہاتھوں میں ہے۔

فصل (۱۰) مصنف کے تایا کے حالات اور موضع چندلور پاڑ کا ذکر

فقیر کے تایا کا نام سید ضیاء الدین تھا، وہ سات سال کی عمر میں قصبۂ امام سے اپنے والد کے ہمراہ ہندوستان آئے، اور اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔ حضرت شیخ علی مکی قدس سرہٗ جیسی معتصم العروۃ الوثقیٰ ہستی کے دست مبارک پر بیعت کر کے سلسلۃ الذہب بہائیہ[1] میں داخل ہو کر سرمایۂ سعادت دارین حاصل کیا۔ ایک عرصہ تک وہ شیخ علی مکی کی خدمت میں رہ کر اس خاندان کے اشغال میں مشغول رہے، اور روحانی بلندی حاصل کرتے رہے۔ پھر انہوں نے سفر حرمین شریفین کا قصد کیا۔ مناسک حج اور زیارتِ مقامات مقدسہ سے فارغ ہو کر جب اورنگ آباد واپس پہونچے تو جناب شیخ کے انتقال کے باعث اپنے محمل سفر کو رحمت آباد صانہ اللہ من الآفۃ والفساد (خدا اس شہر کو آفتوں اور فساد سے محفوظ رکھے) کی طرف موڑ دیا۔ یہاں انہوں نے نائب رسول اللہ خواجہ رحمت اللہ کی صحبت سے بے حد فیض حاصل کیا۔ ہمیشہ ان کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل کرنے

(۱) سلسلۂ بہائیہ سے مراد شاید حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ ہے جیسا کہ آگے کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔

کیلئے کالستری کے راجہ سے رحمت آباد سے دو تیر پرتاب کے فاصلے پر آباد ایک موضع چندلور پاڑ[1] بطریق التمغا حاصل کرلیا، اور وہیں عرصہ تک مقیم رہے۔

مصنف کے تایا کا انتقال

کئی سال گذرنے کے بعد اپنے حقیقی چچازاد بھائی سید محمد عاصم خان بہادر مبارز جنگ کی ایما اور چند دیگر وجوہات کی بناء پر سرکار محمد علی خان بہادر والا جاہ کے پاس امورِ دیوانی کے مہتمم مقرر ہوئے اور مدراس میں سکونت اختیار کرلی جو وہاں سے پانچ روز کی مسافت پر تھا، وہاں سے ہمیشہ عرائض کی ترسیل سے سرفراز ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن اپنے انتقال سے ایک ماہ پیشتر صحتمندی کی حالت میں میرے والد کو ہمراہ لے کر تیال پیٹ مدراس گئے۔ وہاں کی جامع مسجد میں قاضی ابوبکر سے جو اس مسجد سے متصل زمین کے مالک تھے، مسجد کے زینوں کے پاس ایک قبر کی اُتنی زمین خرید کر لوٹ آئے۔ واپسی کے بعد آخری دم تک خواجگانِ نقشبندیہ کے حالات اور ان کی تاریخ نظم کرتے رہے۔ صفر کی ۲۷ / تاریخ جمعرات کے دن ۱۱۹۷ھ (1783ء) میں وقتِ سحر کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کردی۔

محمد باقر خان[2] گوہر نے جو الکۂ کرناٹک کے مشہور شعراء میں سے تھے، اور جن

---

(۱) موضع چندلور پاڑ رحمت آباد سے جانبِ مشرق تقریباً ڈیڑھ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (عبدالغفور)

(۲) نام محمد باقر خان تخلص گوہر، قوم نوایط کے ممتاز افراد میں سے تھے، آپ کے بزرگ سرکار والا جاہی میں اونچے اونچے عہدوں پر فائز رہ چکے تھے، ایک قصبہ بطور التمغا آپ کو والا جاہ کی طرف سے عنایت ہوا تھا، حیدر علی خان کے ہنگامہ کے زمانے میں تعلقہ نیلور کی فوجداری پر مامور ہوئے، ایک سال کے بعد معزول ہوئے۔ ۱۲۱۰ھ میں انتقال ہوا، میلاپور میں واقع مسجد آقا کے صحن میں مدفون ہیں۔ فارسی اشعار کا نمونہ:

مکن زگوشۂ دستار زلف را بیرون — زعطرِ فتنہ پریشاں مکن دماغِ مرا

سخاوت پیشہ ہنگام عطا بر خود نہد منت — زخجلت شیشہ آری پیشِ ساغر سرنگوں آید

چرا زاہد کند منسوبم از آلودہ دامانی — عجب تر ساقیم خورشید ودامانِ تری دارم

کے احوال میرے استاد غلام علی رضا[1] رائق المخاطب بہ باقر حسین خاں بہادر نے اپنے تذکرہ میں بڑے طمطراق سے ان کی تاریخ وفات اس طرح لکھی ہے:

ولیِ حق ضیاء الدین مرحوم ز نسلِ محرم اسرار مطلق
بہ سالِ ارتحالش گفت ہاتف بعرش قرب حق آسودہ احق

۱۱۹۷ھ

فصل (۱۱) حضرت ضیاءالدین کی ایک کرامت

شیخ خداوند جن کے ذمہ رحمت آباد کی نگہبانی کی خدمت سپرد تھی، لوگوں سے بیان کرتے تھے کہ سید ضیاءالدین امامی شروع شروع میں آدھی رات تک حضرت خواجہ رحمت اللہؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے تھے، جب حضرت اندر تشریف لے جاتے تو آپ بھی اپنے مکان واقع چندلور پاڑ جانے کیلئے اُٹھتے، جب دیکھتے کہ دروازہ مقفل ہے تو اپنا

---

(۱) نام غلام علی موسی رضا، تخلص رائق، مگر اپنے دادا کے خطاب باقر حسین خان کے نام سے مشہور تھے، حکیم رکن الدین حسین خان ناطق کے بیٹے تھے، ۱۱۸۰ھ (1766ء) میں محمد پور میں پیدا ہوئے، امیر الدین علی سے علوم کی تکمیل کے بعد مدراس آئے اور مولوی باقر آگاہ کے شاگرد ہوئے۔ پہلے میلاپور کے منشی مقرر ہوئے پھر نواب عمدۃ الامراء بہادر کے ہاں مدراس میں آپ کو اطبائے سرکار میں شامل کرلیا گیا۔ کلام مولوی خان فطرتؔ کے طرز پر ہے۔ تذکرۂ "گلدستۂ کرناٹک" آپ کی تالیف ہے جو ۱۲۴۰ھ (1824ء) میں مکمل ہوئی، اس کی زبان بے حد فصیح و بلیغ ہے۔ ۱۲۴۸ھ (1832ء) میں وفات پائی۔ "بحر رحمت" کے مصنف ابو سعید والاؔ نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے جو واقعی لاجواب ہے:

دارد اجل چو خورد رائقؔ با بدرقۂ گلابِ ایمان
سالش زِ سرِ بکا دلم گفت حقا کہ زِ دہر رفت لقمان

نمونۂ کلام:

ہنر شرط است ای عالی نسب بہر گراں قدری کہ قیمت یک درم گل را بود، دینار عطرش را
کمالِ اعتدال آخر دہد حسنِ دگر رائقؔ حلاوت چون زحد بگذشت گردد تلخ کامی ہا
شعرِ ناخوبت کند رسوائے عالم گوش دار چون پسر ابتر شود نفریں پدر را می کند

ہاتھ قفل پر رکھتے تو قفل فوراً پکے ہوئے پھل کی طرح زمین پر گر پڑتا۔ غرض دروازہ کھول کر وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے۔ چند دن تک دیکھنے کے بعد میں نے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں یہ ماجرا کہہ سنایا، حضرت خواجہ صاحب سن کر چپ رہے۔ اُس دن کے بعد پھر کبھی حضرت سید ضیاء الدین امامی سے اس کرامت کا ظہور نہیں ہوا۔

فصل (۱۲) حضرت ضیاء الدین کا بھری ندیوں کو پار کرنا

اکثر لوگ بیان کرتے ہیں کہ عین شدتِ موسمِ باراں میں جبکہ رات بے حد تیرہ وتار ہوتی، فقیر کے تایا سید ضیاء الدین امامی، خواجہ رحمت اللہؒ کی ملاقات کو تشریف لے جاتے، راہ میں دو ندیاں[1] جن کا درمیانی فاصلہ تقریباً ایک تیر پرتاب ہے، اس قدر باڑھ پر ہوتیں کہ دونوں میں فرق و امتیاز مشکل ہو جاتا تھا، گویا ''مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ'' (سورہ رحمٰن، آیت ۱۹) کی عملاً تفسیر بنی ہوئی ہوتی تھیں، لوٹتے وقت جب حضرت ان ندیوں کو عبور کرتے تو اس سیاہ رات میں حسینوں کی مانگ کی طرح پانی میں ایک راستہ پیدا ہو جاتا، اور آپ اس پر چلتے ہوئے تن تنہا اپنے گھر چلے جاتے۔

فصل (۱۳) ملا شاہ نیاز امامی کا ذکر

ملا شاہ نیاز امامی ایک درویشِ بے نوا تھے۔ توران سے حج کا ارادہ کر کے نکلے اور مدراس آئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ متیال پیٹ کی مسجد میں ایک دن میں حضرت سید ضیاء الدین امامی کی خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک انہوں نے اتنی شدت سے مجھ پر توجہ ڈالی کہ میں زمین سے دو گز اونچا اُچھلا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب ہوش میں آیا تو میں نے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور ان کا مرید ہو گیا۔

---

(۱) یہ دو ندیاں ہیں بیرا پیرو، جو رحمت آباد سے متصل ہے، اس کے آگے دوسری ندی نگل واگو، کہلاتی ہے۔ع

فصل (۱۴) حضرت سید چاند بیجاپوری کا ذکر

سید چاند جوفلکِ سیادت کے ماہِ منیر تھے، جب بیجاپور سے اس علاقے میں تشریف لائے تو حضرت خواجہ رحمت اللہؒ کے ارشاد پر فقیر کے تایا سید ضیاء الدین امامی کے مرید ہوگئے اور سلسلۂ عِلیہ نقشبندیہ میں داخل ہوگئے، انہوں نے ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر اس سلسلے کے سلوک کے مدارجِ اعلیٰ طے کئے اور کافی استعداد بہم پہونچائی، فقیر کے تایا نے کالستری کے راجہ سے چھتر آرم پاک کے متصل چند قطعات زمین انہیں دلوادیے۔ وہاں انہوں نے سکونت اختیار کرلی اور وہیں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ وہاں وہ مسافروں کی خدمت کر کے ہمیشہ سعادتِ دارین حاصل کرتے رہے۔ حیدر علی خان بہادر کے ہنگامہ کے دوران جو یوم النشور کا نمونہ تھا، اس نواح کے رہنے والے تمام لوگ اِدھر اُدھر بھاگ گئے مگر سید چاند نے راضی بقضا رہ کر وہاں سے حرکت نہ کی، حیدر علی خان بہادر کی فوج کے چند آدمیوں نے ان کے پاس پہونچ کر جب بستی کے مالدار لوگوں کے پتے دریافت کئے تو انہوں نے بتانے سے انکار کردیا۔ سپاہیوں نے غضبناک ہوکر ایک مضبوط رسی ان کے گلے میں ڈال کر ایک جامن کے درخت کی شاخ پر آپ کو لٹکا دیا، مگر رسی ٹوٹ گئی اور یہ زمین پر گر پڑے۔ پھر اچھی طرح باندھا مگر اب بھی رسی ٹوٹ گئی، آخر انہوں نے (سپاہیوں نے) خوفزدہ ہوکر اس حرکت سے اجتناب کیا۔

فصل (۱۵) حضرت شاہ محمد نصر اللہ کا حال

درماندہ لوگوں کے دستگیر، اہل ایمان کے ناصر ومددگار، عارف باللہ شاہ محمد نصر اللہؒ جو حضرت اشرف الاولیاء کی خلافت سے مشرف تھے اور خانوادۂ نقشبندیہ کے نگارخانے سے اپنا نقشِ مراد پاچکے تھے۔ انہوں نے حضرت اشرف الاولیاء کی اجازت سے بندرگاہ

سورت میں سکونت اختیار کرلی تھی، وہاں انہوں نے اپنے چراغ ہدایت سے سینکڑوں سالکانِ راہِ طریقت کی رہنمائی کی اور ایسے لوگوں پر بھی توفیق کا دروازہ کھول دیا جو خلوت سرائے حقیقت سے باہر نکل گئے تھے۔ ان کے حالات زندگی کا سمندر تو بیکراں ہے مگر جو کچھ فقیر کو معلوم ہے اس کو اخبارِ اخیار کے زُلال کے پیاسوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اگر کسی نے اس کے علاوہ بھی کچھ واقعات ثقہ لوگوں سے سنے ہوں تو مجھے امید ہے کہ وہ انہیں حسبۃً للہ لکھ دیں گے۔

فصل (۱۶) مولوی خیرالدین سورتی کا تذکرہ

جامع حقیقت وشریعت متین مولوی خیرالدین (سورتی) قدس سرہٗ جو کہ حضرت شاہ محمد نصر اللہؒ کے مریدوں کے حلقے میں ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے، اور جنہوں نے گمراہوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو شاہراہِ طریقت کی طرف ہدایت کی تھی، اور جناب پیشوائے اہلِ یقین مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہٗ جو اُن سے سفر حجاز میں فیضیاب ہوئے تھے، اکثر و بیشتر ان کی تعریف کرتے ہوئے نہ تھکتے تھے، اور ان کی وضع اور اخلاق کی تقلید کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ ان کا وجودِ باجود، تواضع اور خاکساری میں اکسیر اعظم کا حکم رکھتا تھا۔ اس حد تک انہوں نے اپنی خودی کی بلندی کو نیستی کی پستی میں ڈال رکھا تھا کہ ہمیشہ نماز فجر کے بعد پڑوس میں رہنے والی بوڑھی عورتوں کے گھر گھر پھر کر ان کیلئے بازار سے سودا سلف لا دیتے اور ان کی فرمائش کے مطابق گیہوں، چاول، گوشت، ترکاری، اور جلانے کی لکڑی بازار سے خرید کر اپنے مبارک کاندھوں پر رکھ کر ہر ایک کی فرمائش اس کے حوالے کرتے تھے۔ اگر کسی کو کوئی چیز پسند نہ آتی تو اس کی پسند کے مطابق سودا لانے کیلئے دوبارہ بازار جاتے تھے۔

اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں بندرگاہ سورت میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کیلئے جامع مسجد جارہا تھا تو راستہ میں جناب مولوی خیرالدین قدس سرہٗ کو زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ایک نہایت گندی عورت اپنی پنڈلی کے نارو کے درد سے نالہ و بکا کرتی تھی، اور یہ حضرت اس کی ٹانگ اپنے زانو پر رکھے ہوئے نارو کی تعویذ کا نقش اس کے اوپر لکھ رہے تھے۔ میں نے عرض کی حضرت یہ کیا! خاص طور پر جب کہ اس کے نارو سے خون اور پیپ بہہ رہا ہے اور اس کے کپڑے پیپ اور خون میں لت پت ہیں، اور وہ انتہائی نجس بھی معلوم ہوتی ہے۔ فرمانے لگے، ایسا مت کہو، وہ بھی ہماری طرح جاندار ہے اور اسی خالقِ بے چوں کی مخلوق ہے جس کے ہم بندے ہیں۔

نائب رسول اللہ خواجہ رحمت اللہ کی خدمت بابرکت میں خواجہ صاحب کے انتقال تک برابر عریضے ارسال کیا کرتے تھے (بذریعہ خط و کتابت فیضیاب ہوا کرتے)۔ جناب خواجہ بھی ہمیشہ ان کا ذکر بھلائی سے کرتے رہتے تھے۔ آنکھ کی پتلی کی طرح جو خانۂ چشم سے باہر نہیں نکلتی کبھی بھی اپنا گھربار چھوڑ کر باہر تشریف نہیں لے گئے۔ جو کچھ تھوڑا بہت تجارت سے حاصل ہو جاتا تھا اسی میں ہنسی خوشی اپنے اہل و عیال اور مہمانوں کے ساتھ گذربسر کر لیتے تھے۔ خواجہ علیہ الرحمہ کے انتقال کے چند سال بعد وہ بھی سورت میں انتقال کر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

فصل (۱۷) حضرت محمد حفیظ اللہؒ کے حالات

صاحب کشف و کرامات، مصدرِ فیوض و کمالات، بادشاہِ ملکِ استغناء، اور غریق بحرِ فنا' عارف باللہ جناب مولوی محمد حفیظ اللہ قدس سرہٗ جو عقیدتمندانِ جناب مولوی

خیرالدین کے گلِ سرِ سبد اور ان کے رنگ و بو یافتگان میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے، ہمیشہ گلشنِ وحدت میں شوق کے ترانے گاتے رہتے تھے۔ سید عبدالقادر خان مرحوم قصبہ اُودگیر (ضلع نیلور) کے قلعہ دار تھے، ان کی زندگی میں حضرت مولوی محمد حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس طرف آ نکلے۔ ایک دن خان موصوف کی فرمائش پر حدیث شریف سے حاضرین کو مستفید کر رہے تھے کہ اس دوران سامعین میں سے کسی نے کسی سے کوئی بات کر لی، مولوی صاحب کو اس حرکت پر غصہ آ گیا اور انہوں نے درس بند کر کے وہاں سے جانے کی ٹھان لی، بے حد معذرت اور منت و سماجت کی گئی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ آخر کار خان موصوف نے حافظ علی نامی ایک شخص سے جو کہ صُلحائے اُودگیر میں سے تھے، اور مولوی صاحب کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے، خواہش کی کہ وہ خود جا کر مولوی صاحب کو واپس لے آئیں۔ حافظ علی نے یہ خیال کر کے کہ کہیں میری التجاء کا بھی یہی حشر نہو، قصبے سے باہر تشریف لے جا کر ایک تالاب پر غسل کیا، اور دوگانہ ''نماز ارجاع'' ادا کی۔ (نمازِ اِرجاع اس نماز کو کہتے ہیں جو کسی کو واپس بلانے کیلئے پڑھی جاتی ہے) اس نماز کی اجازت مولوی صاحب سے ان کو حاصل تھی، غرض وہ مولوی صاحب کو اُودگیر واپس لانے میں کامیاب رہے، مولوی صاحب نے لوٹ کر اُودگیر میں اُسی قدیم جگہ نشست رکھی جو پہلے تھی۔

حافظ صاحب کو انکے واپس لانے سے بڑا فیض یہ حاصل ہوا کہ مولوی صاحب نے انہیں دیکھتے ہی مسکرا کر فرمایا بارک اللہ تم نے اپنے حاصل شدہ علم کو پرکھنے کیلئے پہلی بار اپنے استاد ہی کو کسوٹی بنایا اور مجھے فلاں مقام سے کشاں کشاں واپس اس طرح بلوایا جس طرح خالی جسم میں روح لوٹ آتی ہے، اور یہاں لا کر مجھے اس مکان میں قید کر دیا۔ حافظ صاحب نے یہ سنکر آنکھیں نیچی کر لیں اور فوراً معذرت کی اور ان کے قدم چوم کر اپنی خطا معاف کروائی۔

حافظ صاحب مرحوم یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ مولوی صاحبؒ کو میرے ظاہری حالِ زار پر رحم آ گیا، فرمایا: تیرے پاس جس قدر سیسہ ہو لے آ۔ ان کے حکم کے بموجب دو سیر سیسہ جو اس قصبہ میں بڑی جستجو کے بعد دستیاب ہو سکا تھا ان کی خدمت میں لے آیا۔ حضرت نے ایک ریشمی کپڑے کے ٹکڑے پر ایک نقش تحریر کیا اور گوند سے اُسے سیسے پر چپکا کر آگ میں ڈال دیا۔ جب سیسہ دلِ سوزان کی طرح (جو تصورِ الٰہی سے بدل جاتا ہے) بدل کر خالص چاندی بن گیا تو اسے راکھ سے اٹھا کر مجھے عنایت کیا۔ اس کے بعد وہ رحمت آباد چلے گئے، وہاں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت سے فیض حاصل کر کے مقاماتِ عالیہ حاصل کئے۔ بعد ازاں حیدر آباد تشریف لے گئے۔

فصل (۱۸) حضرت سید عبدالقادر دہلوی کا دعوت نامہ

سلالۂ دودمانِ مصطفیٰ، خلاصۂ خاندان مرتضیٰ، منتشر قوم کی جمعیت کا شیرازہ، لاعلاجوں کے مسیحا، سالکانِ طریقت کیلئے عروۃ الوثقیٰ، شاہراہِ شریعت سے بھٹکنے والوں کیلئے راہنما، واقف اسرارِ باطن و ظاہر سید عبدالقادر قدس سرہٗ جنہیں دیوانِ فقر میں خاطر خواہ دستگاہ حاصل تھی، باوجود ظاہری تعلق کے نقطۂ انتخاب کی طرح دنیا سے قطع تعلق کا پرچم بلند کئے ہوئے تھے، ہندوستان کے اعیان و ارکانِ سلطنت انتہائی عقیدت کے ساتھ ان کی خدمت میں عقیدت مندی کا اظہار کرتے تھے، اور ان کے دسترخوانِ فیض سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتے تھے۔ آپ نے احمد شاہ(۱) کے عریضے کے ہمراہ خواجہ علیہ الرحمہ کے نام خود اپنا ایک خط بھیجا جس سے بے حد عقیدت و محبت و اشتیاق کا اظہار ہوتا تھا۔ لکھا کہ

(۱) مغل بادشاہ ابونصر مجاہد الدین احمد شاہ، ۱۱۶۱ھ = 1748ء میں تخت دہلی پر بیٹھے، ان کے ایک وزیر عماد الملک غازی الدین خان نے قید کر کے ان کی آنکھیں نکلوا دیں۔ ۱۱۸۹ھ = 1775ء میں وفات پائی۔ (قدیری)۔

''طوفانِ شوق نے بحرِ سکون میں ایک اضطراری کیفیت پیدا کردی ہے، اور بڑھاپے کے ضعف نے مجھے ساحل کی طرح زمین گیرِ مجبوری و معذوری بنادیا ہے۔ برادرانہ شفقت کے جوش کا تقاضہ یہی ہے کہ حضور والا سیلاب کی طرح فقیر مشتاق کی جانب قدم رنجہ فرمائیں (تشریف لائیں) تو بے انتہا لطف و کرم ہوگا۔ اس ضمن میں گمراہی کے صحرائے ناپیدا کنار کے پیاسے بھی آپ کے بحرِ رحمت کے ہدایت تاثیر آبِ حیات سے سیراب ہوجائیں گے۔ اور دشت ناکامی میں بھٹکنے والے بہت سے آبلہ پا بھی منزل مقصود تک جاپہونچیں گے''۔ (۱)

فصل (۱۹) چہار پیر (سلاسل اربعہ) کے شجرے

ذیل میں قدوۃ السالکین جناب مولوی شاہ رفیع الدین کے ارشاد کے بموجب چار پیروں کے شجرے درج کررہا ہوں، جن میں سے ہر ایک کی رفعت وشان سدرۃ المنتہیٰ سے بڑھ کر ہے۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کا آبائی شجرۂ بہائیہ جو خواجگانِ ماوراء النہر کے پاس ''سلسلۃ الذہب'' کے نام سے مشہور ہے، منظوم نقل کرتا ہوں:

شجرۂ قادریہ :

حضرت نے طریقۂ علیہ قادریہ تمام اصول وفروع کے ساتھ پہلے حضرت سید علوی بروم سے اور پھر شاہ علی رضا سے حاصل کیا، سید علوی بروم نے اپنے والد بزرگوار سید عبداللہ بروم سے، انہوں نے سید عبداللہ بافقیہ سے، انہوں نے سید احمد قشاشی سے، انہوں نے شیخ محمد یوسف سے، انہوں نے شیخ امین الدین المرواحی سے، انہوں نے شیخ سراج الدین عمر سے، انہوں نے شیخ عبدالقادر الیمانی سے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار شیخ جنید بن احمد

---

(۱) اِس دعوت نامے پر حضرت کا جواب صفحہ (۶۱) پر ملاحظہ فرمائیں۔ (قدیری)۔

الیمانی سے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار احمد بن موسیٰ المشروعی سے، انہوں نے ابوبکر بن سلامی الیمنی سے، انہوں نے شیخ اسماعیل بن صدیق الجبرتی سے، انہوں نے شیخ محمد المزجاجی الیمنی سے، انہوں نے شیخ اسماعیل بن ابراہیم الزبیدی سے، انہوں نے شیخ سراج الدین الیمنی سے، انہوں نے شیخ محی الدین احمد بن محمد الاسدی سے، انہوں نے شیخ فخر الدین ابی بکر بن محمد بن نعیم سے، انہوں نے شیخ محمد بن احمد الاسدی سے، انہوں نے احمد بن عبداللہ الاسدی سے' اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار عبداللہ بن یوسف الاسدی سے، انہوں نے شیخ عبداللہ بن علی الاسدی سے، اور انہوں نے حضرت غوث الثقلین قطبِ دارین شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے شیخ ابوسعید مبارک المخزومی سے، انہوں نے شیخ ابوالحسن علی بن احمد بن یوسف القرشی الہنکاری سے، انہوں نے شیخ ابی الفرح محمد بن عبداللہ طرطوسی سے، انہوں نے شیخ عبدالواحد التمیمی سے، انہوں نے شیخ ابوبکر محمد دُلف بن خلف الشبلی سے، انہوں نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے، انہوں نے حضرت سری سقطی سے، انہوں نے حضرت معروفِ کرخی سے، انہوں نے حضرت داؤد طائی سے، انہوں نے شیخ حبیب العجمی سے، انہوں نے شیخ حسن البصری سے، انہوں نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ سے' اور انہوں نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انہوں نے جبرئیل امین سے اور انہوں نے حضرت رب العالمین سے۔

شجرۂ رفاعیہ :

حضرت نے یہ طریقہ حاصل کیا سید علوی بروم سے، انہوں نے اپنے والد سید عبداللہ بروم سے اور اسی طرح اپنے بھائی سید محمد بن عبداللہ بروم سے، انہوں نے سید محمد بن عبدالخضر سے، انہوں نے عبدالخضر سے، انہوں نے سید رجب الرفاعی سے،

انہوں نے سید شعبان سے، انہوں نے سید محمد سے، انہوں نے سید صالح سے، انہوں نے سید عبدالرحمٰن سے، انہوں نے سید عبداللہ سے، انہوں نے سید حسن سے، انہوں نے سید حسین سے، انہوں نے سید رجب سے، انہوں نے سید محمد اور انہوں نے سید الاقطاب سید احمد کبیر الرفائی سے، انہوں نے شیخ علی قاری سے، انہوں نے فضل بن کافح سے، انہوں نے شیخ ابوغلام الترکمانی سے، انہوں نے شیخ بایزید بسطامی سے، انہوں نے شیخ علی العجمی سے، انہوں نے شیخ ابوبکر الشبلی سے، انہوں نے سید الطائفہ جنید بغدادی سے، انہوں نے حضرت سری سطقی سے، انہوں نے شیخ معروفِ کرخی سے، انہوں نے شیخ داوٗد الطائی سے، انہوں نے شیخ حبیب العجمی سے، انہوں نے شیخ حسن البصری سے، انہوں نے حضرت اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ سے، اور انہوں نے سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انہوں نے حضرت جبرئیل امین سے اور انہوں نے حضرت رب العالمین سے۔

شجرۂ چشتیہ :

حاصل کیا حضرت نے یہ سلسلہ علیہ سید علوی بروم سے' انہوں نے سید عبداللہ بروم سے، انہوں نے سید عبداللہ بافقیہ سے، انہوں نے شیخ احمد القشاشی سے، انہوں نے شاہ صبغۃ اللہ سے، انہوں نے شاہ وجیہ الدین گجراتی سے، انہوں نے شیخ محمد غوث سے، انہوں نے شیخ حاجی حضور سے، انہوں نے شیخ ابوالفتح ہدایت اللہ سرمست سے، انہوں نے شیخ قاضی عطوف سے، انہوں نے شیخ میران زاہد سے، انہوں نے شیخ محمد بن عیسیٰ جونپوری سے، انہوں نے شیخ فتح اللہ سے، انہوں نے شیخ صدرالدین سے، انہوں نے شیخ نصیرالدین چراغِ دہلی سے، انہوں نے شیخ نظام الدین (محبوبِ الٰہی) سے، انہوں نے شیخ فریدالدین

گنج شکر مسعود بن سلیمان الفاروقی سے، انہوں نے شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے، انہوں نے شیخ معین الدین چشتی حسن سجزی سے، انہوں نے شیخ عثمان ہارونی سے، انہوں نے شیخ حاجی شریف زندانی سے، انہوں نے شیخ مودود چشتی سے، انہوں نے خواجہ یوسف چشتی سے، انہوں نے شیخ ابو محمد چشتی سے، انہوں نے شیخ ابو احمد چشتی سے، انہوں نے شیخ ابو اسحاق ھبیرہ بصری سے، انہوں نے شیخ حذیفہ مرعشی سے، انہوں نے شیخ ابراہیم بن ادہم سے، انہوں نے شیخ فضیل بن عیاض سے، انہوں نے شیخ عبدالواحد بن زید سے، انہوں نے شیخ حسن البصری سے، انہوں نے سیدنا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے، انہوں نے جبرئیل امین سے اور انہوں نے رب العالمین سے۔

شجرۂ نقشبندیہ (منظوم) :

گشت سید رحمت اللہ بہریابِ مدعا ۔۔۔ از جنابِ سید اشرف پیشوائے اولیاء

آنجناب از خواجہ طاہر یافتہ دلق شرف ۔۔۔ او زِ حاجی شہ محمد والئ ہر دوسرا

او شد از فیضِ عمیمِ مقبلی مقبولِ حق ۔۔۔ او زِ سید آدم بنوریٔ پیرِ ہدیٰ

گشت از فیضِ مجدد سید آدم قطبِ وقت ۔۔۔ آنجناب از خواجہ باقی کرد تحصیل بقا

خواجہ باقی از محمد شد شرف اندوزِ فیض ۔۔۔ آنکہ بود از امکنک مشہور در عرف وریٰ

آنجناب از خواجہ درویشِ ولی شد مستفیض ۔۔۔ او زِ خواجہ زاہدِ سرخیلِ جملہ اتقیاء

او زِ کشتِ بیعتِ خواجہ عبید اللہ چید ۔۔۔ خوشہ خوشہ دانۂ فیضِ صمد بے انتہا

یوسفِ مقصود آن غوث زمان وقطب عصر ۔۔۔ شد زِ فیضِ خواجۂ یعقوب چرخی رونما

او ز خاکِ آستانِ شاہ خواجہ نقشبند ۔۔۔ داد چون مہر منیر آئینۂ دل را جِلا

آن جناب مستطاب از خدمتِ سید امیر — چون سبو گردید لبریز از زلالِ فیض ہا

ہمچو فرزنداں کہ میگیرند میراثِ پدر — آنجناب از خواجہ بابا یافت نقدِ فیض را

تار و پودِ دلقش از سید علی رامیتنی ست — آنکہ از خواجہ عزیزاں داشت شہرت جابجا

شد عزیزاں کامیاب از آستانِ فغنوی — آنکہ نامش خواجہ محمود است درعرف وریٰ

کرد او کسبِ شرف از خواجہ عارف ریوگیر — او زِ عبدالخالق غوثِ زمن مشکل کشا

گشت او از خواجہ یوسف فایزِ مصرِ مراد — غنچہ آسا عُقدہ اش از بوعلی گردید وا

بُرد او از خرقانی خرقۂ فیضِ سلف — آنکہ باشد نامِ پاکش بوالحسن حاجت روا

بوالحسن شد از جنابِ بایزیدِ نامدار — آنکہ بود او خسروِ عشاق و محبوبِ خدا

او ز جعفر او ز باقر او زِ زین العابدین — او زِ جان مصطفیٰ یعنی شہیدِ کربلا

او زِ شاہ اولیاء و او زِ سالارِ رُسل — او زِ جبریل امین و او زِ ربِ کبریا

برمزارِ شاں فشاندہ نخل بندِ کائنات — یک چمن گلہائے شادابِ تحیات و ثنا

ہمتے اے خواجگاں! افتادہ اندر تفرقہ — بندۂ موروثیٔ نعلین بردارِ شما

یعنی وآلائے غلامِ خانہ زادِ خاکسار — برزمین عجز واماندہ است ہمچوں نقشِ پا

حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نائب رسول اللہ کے عطا کردہ بعض شجروں میں ناموں کا اختلاف اوران کی تطبیق

واضح ہو کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ جو شجرہ مریدوں کو عطا فرماتے تھے، اس میں سے بعض شجروں میں ''حاجی شیخ عبداللہ کوہاٹی'' کا نام لکھتے تھے، اور بعض میں بجائے اس نام نامی کے ''شرف الدین مقبلی'' تحریر کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبداللہ کوہاٹی کو شرف الدین مقبلی، اور شیخ عبداللہ بہادر بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے کتب خانہ کی کتاب ''مخزن الاعراس'' کے حاشیہ میں اسی طرح میں نے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل شعر بھی اس پر گواہ ہے ؎

شیخ صاحب شاہ محمد حاجیٔ سلطان پُری — حاجیٔ کوہاٹیٔ شیخ شریفِ مقبلی

کہتے ہیں کہ ''بہادر'' کا خطاب دراصل تلمیح اور اشارہ ہے اُن کی اس کرامت کی طرف کہ ایک دن جناب سید آدم بنوری رضی اللہ عنہٗ کی سواری (پالکی) کو ان کے تمام مریدین حاملین عرش کی طرح اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے لے جا رہے تھے، راستہ میں واقع ایک ندی میں باڑھ آئی ہوئی تھی، ان میں سے شیخ عبداللہ کو ہاٹی آگے بڑھے اور دریا کے کنارے سروقد کھڑے ہوکر انگشتِ شہادت سے راستہ دینے کا اشارہ کیا۔ فوراً پانی کے بیچوں بیچ ایک سیدھا راستہ پیدا ہوگیا چنانچہ تمام حضرات آپ کی سواری اٹھائے ہوئے پار ہوگئے۔ جب حضرت نے دونوں جانب پانی ٹھہرا ہوا دیکھا تو فرمانے لگے ''یہ اسی بہادر کا کام ہے'' بس اسی دن سے آپ ''بہادر'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

سلسلۂ نقشبندیہ کا دوسرا طریقہ:

علاوہ ازیں حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ نے یہ طریقہ حاصل کیا سید علوی بروم سے، انہوں نے سید عبداللہ حداد سے، نہوں نے شیخ حمید الدین المرواحی سے، انہوں نے سید محمد سے، انہوں نے سید عبداللہ سے، انہوں نے سید شیخ سے، انہوں نے سید عبداللہ سے، انہوں نے سید جعفر سے، انہوں نے شیخ ابیہ رفیع الدین احمد البخاری قدس اللہ اسرارہم اور شیخ صاحب الانوار خواجہ عبید اللہ احرار قدس اسرارہما سے، ان دونوں نے شیخ خواجہ یعقوب چرخی سے، انہوں نے شیخ خواجہ قطب بہاؤ الدین نقشبند سے، انہوں نے شیخ امیر کلال سے، انہوں نے شیخ خواجہ محمد بابا سماسی سے، انہوں نے شیخ خواجہ علی رامیتنی سے، انہوں نے شیخ خواجہ محمود فغنوی سے، انہوں نے خواجہ عارف ریوگیری سے، انہوں نے شیخ خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے، انہوں نے خواجہ یوسف ہمدانی سے، انہوں نے شیخ ابی علی

فارمدی سے، انہوں نے شیخ خواجہ ابوالحسن خرقانی سے، انہوں نے شیخ بایزید بسطامی سے، انہوں نے حضرت الامام جعفر صادق سے، انہوں نے شیخ قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیق سے، اور انہوں نے حضرت سلمان فارسی سے، انہوں نے خلیفۂ رسول اللہ ابوبکر الصدیقؓ سے، انہوں نے سید المرسلین ﷺ سے، انہوں نے جبرئیل امین سے، انہوں نے رب العالمین سے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا تیسرا طریقہ

اس کے علاوہ ابوعلی فارمدی نے یہ طریقہ حاصل کیا ابوالقاسم گرگانی سے، انہوں نے شیخ عثمان مغربی سے، انہوں نے ابوعلی کاتب سے، انہوں نے شیخ علی رودباری سے، انہوں نے جنید بغدادی سے، انہوں نے سری سقطی سے، انہوں نے معروف کرخی سے، انہوں نے داود طائی سے، انہوں نے شیخ حبیب عجمی سے، انہوں نے حسن بصری سے، انہوں نے امیرالمؤمنین علی ابن ابی طالب سے، انہوں نے سید المرسلین ﷺ سے، انہوں نے رب العالمین سے۔

سلسلہ نقشبندیہ کا چوتھا طریقہ

اس کے علاوہ حضرت معروف کرخی نے یہ طریقہ امام علی موسیٰ رضا سے حاصل کیا، انہوں نے امام موسیٰ کاظم سے، انہوں نے امام جعفر صادق سے انہوں نے امام محمد باقر سے، انہوں نے امام زین العابدین سے، انہوں نے امام حسین سے، انہوں نے علی مرتضیٰؓ سے، انہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے، انہوں نے جبرئیل امین سے، اور انہوں نے رب العالمین سے۔

سلسلۃ الذہب کی تعریف :

واضح ہو کہ میں نے نہ صرف قدوۃ السالکین مولوی شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ سے سنا ہے، بلکہ محمد بن حسین بن عبداللہ قزوینی کے رسالہ ''مقرب بساط'' کے علاوہ رشحات (۱) میں بھی دیکھا ہے کہ ہمارے آبائی سلسلہ کو خواجگان کی اصطلاح میں ''سلسلۃ الذہب'' کہتے ہیں۔

ان حضرات کو پانچ نسبتیں حاصل ہیں:

پہلی نسبت : خواجہ خضر علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے

دوسری نسبت : شیخ جنید قدس سرہٗ سے

تیسری نسبت : شیخ بایزید قدس سرہٗ سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک

چوتھی نسبت : امام جعفر صادق سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک

پانچویں نسبت : مشائخ ترک سے خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہٗ تک اسی بناء پر انہیں دستر خوان مشائخ کے نمک سے موسوم کیا جاتا ہے۔

ذکر خفی کی اصل :

وہ ذکرِ خفی جو پیغمبر ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تلقین فرمایا تھا اس کی روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ غارِ ثور میں حضرت خلیفۂ رسول اللہ ابوبکر صدیقؓ کے زانو پر لیٹے تھے تو آنکھیں بند کئے ہوئے حضرت صدیق کو اس ذکر خفی قلبی کی تلقین فرمائی اور یہ تلقین

---

(۱) ''رشحات من عین الحیات'' کے مصنف فخر الدین علی المتخلص بہ صفی ہیں، جو مولانا حسین علی الواعظ کاشفی کے صاحبزادے اور مولانا عبدالرحمٰن جامی کے داماد تھے، انہوں نے یہ کتاب ۹۰۹ھ (1503ء) میں تالیف کی، مؤلف خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی کے مرید تھے، اور یہ کتاب سلسلۂ نقشبندیہ پر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

تین تین بار تھی اور پھر ارشاد فرمایا: اے ابوبکر تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی ساری مخلوق پر عام تجلی فرمائی ہے لیکن تم پر تو خاص تجلی فرمائی ہے۔ اور سرکار دو عالم ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہوا کہ: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی میرے سینے میں انڈیلا تھا وہ سب کچھ میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ہے۔

ہر چہ در صدر نبی ریخت خداوند زِ فیض　　او زِ شفقت ہمہ در سینۂ صدیق بریخت

سلسلۂ نقشبندیہ کی مقدس سیڑھیاں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ان کا نام جاہلیت میں ''عبدالکعبہ'' تھا، آنحضرت ﷺ نے ''عبداللہ'' نام رکھا اور ''عتیق'' کے لقب سے نوازا، جس کا مطلب ہے ''جہنم کی آگ سے آزاد''۔ اس کے علاوہ آپ کو ''صدیق'' کے لقب سے بھی سرفراز فرمایا، کیونکہ انہوں نے نہ صرف فوری نبوت کی تصدیق کی بلکہ سب سے پہلے معراج کی بھی تصدیق فرمائی۔ خود حضرت جبرئیل نے انہیں شب ہجرت[1] صدیق کہا۔ بوقت تصدیق وقبول اسلام آپ کی عمر مبارک ۳۷ سال تھی، اور مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

آپ نے ۶۳ سال کی عمر پائی، حضور اکرم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد دو سال دو مہینے اور سات دن تک خلیفۂ رسول رہے۔ اور آپ نے بغیر کسی واسطے کے دین کی تربیت و تعلیم براہِ راست سرکار دو عالم ﷺ سے حاصل کی تھی۔ دوشنبہ کے دن جُمادیٰ الاُخریٰ کی بائیسویں تاریخ کو سنہ تیرہ ہجری میں وفات پائی، ان کو حضور اکرم ﷺ کے پہلوئے مبارک میں جگہ ملی۔

---

(۱) شب معراج کے واقعات میں یہ پایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس واقعے کی تصدیق کون کریں گے! تو جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ ابوبکر کریں گے، وہ صدیق ہیں (مدارج)۔

فصل (۲۰) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سلمان فارسیؓ نے گو آنحضرت ﷺ کی صحبت پائی لیکن نسبت آپ کو حضرت ابوبکر صدیق سے تھی، ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور آپ اصفہان کے قریۂ رامہرمز کے باشندے تھے۔ انہوں نے امیر المؤمنین عثمان غنیؓ کی خلافت کے اوائل میں وفات پائی اور مدائن میں مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر دوسو پانچ سال تھی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ تھی۔

فصل (۲۱) قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہم

قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ، حضرت سلمان فارسی کے تربیت یافتہ تھے۔ مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اکابر تابعین میں سے تھے، اور اپنے زمانے کے افضل ترین بزرگ تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں اور بقول افلح ابن حمید الدین ۱۰۸ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں دفن ہوئے۔

فصل (۲۲) بایزید بسطامی

تصوف میں شیخ بایزید بسطامی کو حضرت جعفر صادقؒ سے نسبت حاصل ہے۔ انہوں نے حضرت جعفر صادق کی روحانیت سے تربیت پائی، کیونکہ حضرت امام جعفر صادق کے وصال کے چند سال بعد آپ کی ولادت ہوئی۔ احمد خضرویہ، ابوحفص، اور یحییٰ معاذ کے ہمعصر تھے، انہوں نے شقیق بلخی کو بھی دیکھا ہے۔ اصحابِ اجتہاد میں سے تھے، مگر تصوف کے سلوک میں وہ مقام حاصل کیا کہ ان کے فقہی مذہب کا چرچا نہیں ہو سکا۔ آپ کو سلطان

العارفین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اوران کا اصلی نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم ہے۔ شہر بسطام (باء مفتوح) کے باشندے تھے، جو خراسان میں عراق کی جانب واقع ہے۔ آپ کا مزار شریف بھی یہیں ہے، جو مرجع خلائق ہے ۲۳۴ھ (849ء) سال وفات بتایا جاتا ہے مگر زیادہ صحیح ۲۶۱ھ ہے۔

فصل (۲۳) شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کو تصوف میں حضرت بایزید قدس سرہٗ سے نسبت حاصل ہے، اور انہیں کی روحانیت سے اکتسابِ فیض کیا تھا، کیونکہ انکی وفات کے چند سال بعد پیدا ہوئے۔ حضرت خرقانی غوثِ وقت اور یگانۂ روزگار تھے، خواجہ عبداللہ انصاری[1] قدس سرہٗ کو تصوف میں انہیں سے نسبت حاصل ہے۔ خرقان (خاء کے فتحہ کے ساتھ) میں پیدا ہوئے اور یہیں آسودہ ہیں، یہ گاؤں بسطام سے قریب ہے۔ یوم عاشورہ ہفتہ کے دن ۴۲۵ھ (1034ء) میں وفات پائی۔

فصل (۲۴) شیخ ابوعلی فارمدیؒ

شیخ ابوعلی فارمدی (میم کے کسرہ سے) قدس سرہٗ کو تصوف میں دوہری نسبت[2] حاصل ہے، ایک حضرت ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ کے ذریعہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی

---

(۱) خواجہ عبداللہ انصاری ہروی ۳۹۶ھ (1006) میں پیدا ہوئے۔ آپ خواجہ نظام الملک اور ابوسعید ابوالخیر کے ہم عصر تھے، سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہونچتا ہے۔ نظم ونثر فارسی میں آپ ایک خاص رنگ کے مالک تھے، آپ کا شمار اکابرین تصوف میں ہوتا ہے، آپ حضرت ابوالحسن خرقانی کے جانشین تھے، عربی میں "منازل السائرین" اور فارسی میں "زادالعارفین" جیسی کتابیں آپ کی تحریر کردہ ہیں۔ سب سے زیادہ شہرت جس چیز کو ملی وہ آپ کی "مناجات" ہے جسے تمام ماہرین فارسی بے مثال کہتے ہیں۔ نثر مسجع کا آغاز آپ ہی نے کیا تھا، ۴۸۱ھ (1008ء) میں ہرات میں وفات پائی۔ (۲)۔ اس کے بارے میں سلاسل نقشبندیہ کے ذکر میں وضاحت موجود ہے۔

قدس سرہٗ سے اور دوسری شیخ کاملِ ربانی حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ سے۔ آپ کا اسم گرامی فضل بن محمد ہے۔ طریقت میں آپ خراسان کے شیخ الشیوخ تھے، (اور اپنے زمانہ میں منفرد و بے نظیر تھے) ۴۷۷ھ (1084ء) میں طوس میں وفات پائی، اور وہیں اپنے مرشد شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس سرہٗ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

فصل (۲۵) خواجہ یوسف ہمدانی

گلِ ریاضِ ولایت، مہِ سپہر معانی   دُرِ محیطِ بقا، خواجہ یوسف ہمدانی

آپ کو شیخ ابوعلی فارمدی قدس سرہٗ سے نسبت حاصل تھی، علم فقہ میں شیخ ابواسحاق شیرازی مصنف ''تنبیہ'' و ''مہذب'' کے شاگرد تھے۔ آپ کو سلوک میں نہایت اعلیٰ مقام حاصل تھا، صاحبِ احوال عالیہ و کشف و کرامات تھے۔ ابویعقوب آپ کی کنیت تھی، ہمدان آپ کا وطن تھا۔ آپ نے بہت سے سفر کیے۔ ولادت ۴۴۰ھ (1048ء) میں اور وفات ۵۰۵ھ (1112ء) میں ہوئی۔ ہرات اور مروشاہجان کے درمیانی شہر خراسان میں پیدا ہوئے، پھر وہاں سے مرو منتقل ہوئے۔ آپ کا مزار قدیم شہر مرو (میم مفتوح رائے مجزوم اور واو مجزوم) کے باہر واقع ہے جو کسی زمانہ میں ایک عظیم شہر تھا، جسے چنگیز خان نے برباد کر ڈالا۔ آپ کا مزار زیارت گاہِ خلائق ہے جہاں سے لوگ برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ خواجہ محمد اسلام جویباری رحمۃ اللہ علیہ نے ۹۷۱ھ (1564ء) میں آپ کے مزار پر نہایت عالیشان مقبرہ تعمیر کروایا جب کہ وہ مرو تشریف لائے تھے۔

فصل (۲۶) خواجہ عبدالخالق غجدوانی

خواجہ عبدالخالق غجدوانی نہ صرف سلسلۂ خواجگانِ نقشبندیہ میں سرفہرست ہیں بلکہ

اس طریقے کے[1] سب سے پہلے بزرگ ہیں۔ آپ خواجہ یوسف کے چار خلفاء میں سے چوتھے خلیفہ ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو جوانی میں دل کے ذکر کا طریقہ سکھلایا اور خواجہ یوسف کے سپرد کر دیا کہ ان کی تربیت کریں۔ طریقت میں آپ کا طرزِ سلوک سب کیلئے دلیل ہے جو تمام اہل سلاسل میں مقبول ہے۔

آپ کی ولایت کی یہ شان تھی کہ ہر روز ایک وقت کی نماز کیلئے کعبہ جاتے اور واپس تشریف لاتے تھے۔ ملکِ شام کے کچھ لوگ ان کے مرید ہو گئے یہاں تک کہ وہ غجدوان آ کر آپ کی خدمت میں رہ کر فیضیاب ہوا کرتے، اور پھر واپس ملک شام چلے جاتے۔ تفصیل آپ کے مقامات میں درج ہے۔ آپ غجدوان (غین پر ضمہ اور دال پر فتحہ) ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں آسودہ ہیں، یہ قصبہ بخارا سے چھ فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔

فصل (۲۷)......خواجہ عارف رِیوگیری

(رِیوگیر۔ را مکسور، یا مجزوم واو مجزوم، گاف مکسور) خواجہ عارف ریوگیری' خواجہ عبدالخالق قدس سرہٗ کے چوتھے خلیفہ ہیں۔ ریوگیر ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں مدفون ہیں، ریوگیر بخارا سے چھ فرسنگ اور غجدوان سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

فصل (۲۸) خواجہ محمود انجیر فغنوی

خواجہ محمود انجیر فغنوی، خواجہ عارف قدس سرہٗ کے افضل و اکمل مریدوں میں سے تھے۔ ان کی ولادت انجیر فغنو (فاء پر زبر) نامی گاؤں میں ہوئی جو بخارا سے تین فرسنگ

---

(۱) طریقۂ نقشبندیہ نے اگرچہ اپنا نام حضرت بہاؤالدین (المعروف بہ خواجہ نقشبند) سے حاصل کیا مگر حقیقت میں اس سلسلہ کا آغاز خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے ہی ہوتا ہے جسے پہلے "سلسلۂ خواجگان" کہا جاتا تھا۔

کے فاصلے پر وابگینہ کے مضافات میں واقع ہے۔ انہوں نے ہی ذکر جہر کا آغاز کیا تھا، خواجہ علی رامیتنی اور امیر خورد وابگینوی انہیں کے طریق پر چلتے ہیں۔ حالانکہ خواجہ بزرگ[1] قدس سرہٗ نے بحکم ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً'' (سورۂ اعراف، آیت:۵۵) (اپنے رب کو نہایت زاری سے اور گڑگڑا کر پکارو اور خفیہ، آہستہ، بے آواز یاد کرو) ذکر جہر کو چھوڑ دیا، جو ان کی برکت کے طفیل میں آج تک اسی طرح جاری ہے: ۔

ذکرِ خفیہ زِ ذکرِ جہر افضل	گر نبودے چرا رسولِ خدا
کرد تلقیں رفیق را در غار	وقتِ ہجرت زِ جانب بطحا

ترجمہ: خفیہ اور بے آواز ذکر (ذکرِ خفی) اگر باآواز بلند ذکر (ذکرِ جہری) سے افضل نہ ہوتا تو رسول خدا ﷺ صدیق اکبر کو ہجرت کے وقت غار میں ذکر خفی کی تلقین کیوں کرتے[2]۔

فصل (۲۹) خواجہ علی رامیتنی

خواجہ علی رامیتنی قدس سرہٗ، خواجہ محمود قدس سرہٗ کے دوسرے خلیفہ ہیں۔ سلسلۂ خواجگانِ نقشبندیہ میں آپ کا لقب ''عزیزان'' ہے۔ آپ صاحبِ مقاماتِ عالیہ اور کراماتِ ظاہرہ تھے، شیخ رکن الدین علاؤ الدین سمنانی قدس سرہٗ کے ہمعصر تھے، اور ان دونوں میں خط و کتابت بھی ہوا کرتی تھی، آپ کی ولادت رامیتن (میم مکسور اور تاء مکسور) میں ہوئی جو بخارا شریف سے دِو فرسنگ کی دوری پر ایک بڑا قصبہ ہے، اور مزارِ مبارک خوارزم میں معروف و مشہور اور زیارت گاہِ خلائق ہے، عمرِ شریف ایک سو تیس سال تھی، روز دوشنبہ

---

(۱) خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ العزیز

(۲) بذکر نیست سرد کار محوِ رویت را — کہ نام بُردنِ شہ در حضور بے ادبی ست

ترجمہ: محبوب کے سامنے کھڑے، دیدار میں محو شخص کو محبوب کے تذکرہ سے کیا سروکار ہے۔ جیسا کہ بادشاہ کے سامنے کھڑے رہ کر گفتگو کے وقت بادشاہ کا ز درز درسے نام لینا نہایت گستاخی ہے۔ (حاشیہ از صاحب جان)۔

۲۸/ذی القعدہ ۱۵ے۷ھ (1316ء) میں دو نمازوں کے درمیانی وقت میں آپ نے وفات پائی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کی وفات ۱ے۷ھ (1321ء) میں ہوئی۔

فصل (۳۰) خواجہ محمد بابا سماسی

خواجہ محمد بابا سماسی حضرت خواجہ عزیزان کے ممتاز و کامل ترین خلیفہ تھے، اسی لئے حضرت عزیزان نے اپنے تمام مریدوں کو ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی اتباع کرنے کا حکم دیا تھا۔ جب کبھی ''قصر ہندوان'' سے گذرتے تو فرماتے تھے مجھے یہاں سے ایک مردِ خدا کی بو آتی ہے، عنقریب ''قصرِ ہندوان''، ''قصر عارفان'' بن جائے گا۔ یہ اشارہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کی طرف تھا۔ خواجہ محمد بابا قریۂ سماس (سین مفتوح) میں پیدا ہوئے، جو رامیتن قصبہ کا ایک گاؤں ہے، اور بخارا شریف سے تین فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے، آپ کا مرقد بھی یہیں ہے۔

فصل (۳۱) سید امیر کُلالؒ

سید امیر کلال قدس سرہٗ سوفار نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ یہ سماس سے پانچ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ ۲ے۷ھ (1371ء) میں پنجشنبہ کے دن نماز فجر کے وقت وفات پائی۔ کلال (کاف کے پیش کے ساتھ) کوزہ گر (کمہار) کو کہتے ہیں، چونکہ ماوراء النہر میں آپ کا مشغلہ یہی تھا، اس لئے آپ کو کُلال کہتے ہیں۔

فصل (۳۲) خواجہ بہاؤالدینؒ (خواجۂ بزرگ)

خواجہ بہاؤالحق والدین، بچپن میں ہی خواجہ محمد بابا سماسی سے فیضان حاصل کر چکے تھے، گو سید امیر کلال قدس سرہٗ اُن کے پیر تھے لیکن حقیقت میں یہ اُویسی تھے اور روحانی

تربیت خواجہ عبدالخالق کی روحانیت سے پائی۔ اس کے علاوہ بعض مشائخین تُرک سے بھی آپ نے اکتسابِ فیض کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے سب سے اعلیٰ مقام حاصل کیا، چنانچہ آپ کو اس سلسلہ میں ''خواجۂ بزرگ'' اور ''خواجۂ نقشبند'' کا لقب دیا جاتا ہے۔ محرم ۷۱۸ھ (1318ء) میں آپ کی ولادت ہوئی، آپ کا مزار ''عارفان'' نامی گاؤں میں ہے، جو بخارا شریف سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ پہلے یہ ''قصرِ ہندوان'' کے نام سے مشہور تھا، لیکن آپ کے وجود بابرکت کے فیض سے اسکا نام ''قصر عارفان'' ہوگیا۔ شب دوشنبہ ۳۰/ربیع الاول ۷۹۱ھ (1389ء) کو آپ نے رحلت فرمائی۔

فصل (۳۳) مولانا یعقوب چرخیؒ

مولانا یعقوب چرخی، خواجۂ بزرگ کے ممتاز مریدوں میں سے تھے، علوم ظاہری و باطنی دونوں میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا، صاحب تصانیف تھے۔ جیسے تفسیر سورۂ تبارک سے آخرِ قرآن تک، اور شرحِ اسماء اللہ الحسنیٰ، اور رسالۂ چرخیہ وغیرہ آپ کی مقبول تصنیفات ہیں۔ چرخ گاؤں کے رہنے والے تھے جو قندہار و کابل کے درمیان غزنین کے صوبہ میں واقع ہے۔ مزار مبارک ھُلفتُو (ہاء پر پیش، لام ساکن فا اور تاء پر پیش) میں واقع ہے۔ یہ ترکستانِ ماوراء النہر کے صوبۂ حصار میں ہے۔

فصل (۳۴) خواجۂ احرار

خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرار[1] قدس سرہٗ غوثِ وقت تھے۔ مولانا یعقوب چرخی کے مرید تھے۔ اس پاک سلسلہ میں آپ کا لقب ''خواجہ احرار'' ہے۔ محلّہ ''خواجہ کفشیر''

---

(۱)۔ خواجہ عبیداللہ احرار ہی کے ملفوظات ''سلسلۃ العارفین'' کا ذکر مصنف نے پہلے (صفحہ=۵) پر کیا ہے، فارسی کے مشہور شاعر ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی بھی آپ ہی کے مرید تھے۔

میں تولد ہوئے، جو سمرقند سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر جنوب کی سمت واقع ہے۔ ۲۹ ربیع الاول شنبہ کی شب مغرب وعشاء کے درمیان ۸۹۵ھ (1490ء) میں رحلت فرمائی۔ عمرِ شریف نوے سال پانچ ماہ تھی۔ مزار پر عالیشان عمارت ہے مزار مبارک سے استبراک کثرت سے ہوتا ہے۔ کفشیر ایک بزرگ کا نام تھا، جن کے نام سے وہ موضع مشہور ہوا۔

فصل (۳۵) حضرت خواجہ خضر

زندہ دلوں کے پیر خضر علیہ السلام جن سے بعض بزرگوں نے فیض حاصل کیا ہے۔ لہٰذا مختصر طور پر آپ کے حالات کو قلمبند کیا جاتا ہے۔ آپ کا نام بَلیا (باء مفتوح) اور کنیت ابوالعباس ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کا نسبی تعلق بنی اسرائیل سے ہے، اور بعض کا خیال ہے کہ ان بادشاہوں کی اولاد میں سے ہیں جنہوں نے دنیا میں زہد کی زندگی اختیار کر لی تھی، اور خضر آپ کا لقب ہے۔ ''فصل الخطاب'' میں لکھا ہے کہ ایک زمانے میں خضرؑ الیاس علیہ السلام کے ساتھ لوگوں کو شریعت مصطفیٰ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ جب وہ بیمار ہو جاتے ہیں تو خود اپنا علاج کر لیتے ہیں۔ آپ نے بہت سی شادیاں کیں اور اولاد بھی کثرت سے ہوئی تھی۔ اب انہوں نے (سب کچھ) چھوڑ دیا ہے۔ اور آپ کی اولاد بھی باقی نہیں رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر ہر پانچ سو سال کے بعد آپ کے نئے دانت نکلتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اب تک ہر ایک سو بیس سال کے بعد انکے نئے دانت نکلتے ہیں، وہ علم کیمیاء سے واقف ہیں۔ بازاروں میں خرید و فروخت بھی کرتے ہیں، نیک لوگوں سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور محتاجوں کو روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ سے نوازتے رہتے ہیں۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ

نائب رسول اللہ

(قدس اللہ سرہٗ العزیز)

موج دوم (دوسراباب)

مقتدائے اوتاد وابدال حضرت خواجہؒ کے احوال اوران کے اخلاق وعادات کے بارے میں

صبح نفس، روشن ضمیر حضرات جن کے دل خورشید کی طرح تاباں اور درخشاں ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ پیشوائے اہل یقین مولوی شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ نے نہایت تلخیص واختصار کے ساتھ بالکل اُسی طرح جس طرح پھولوں سے عطر کشید کیا جاتا ہے حضرت خواجہؒ کے حالات سے ناظرین کے مشام جان کو معطر فرمایا ہے۔ انہیں حالات کو میں پہلے بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد خواجہ علیہ الرحمہ کے خلفاء کے ان ملفوظات کا تذکرہ کروں گا جن میں آپ کے خلفاء سید شاہ نظام الدینؒ[1] اور شیخ علی محمد عرف محمد دستگیر نے آپ کے اکثر احوال تحریر کئے ہیں۔ اور آخر میں وہ حالات جو میں نے ثقہ لوگوں سے سنے ہیں، قارئین کے سامنے پیش کروں گا۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کے والد بزرگوار

''الانفاس الرفیعہ[2] میں تحریر حریر ہے کہ: حضرت قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، عمدۃ المحققین، عروۃ الطالبین، خلاصۂ صوفیۂ متاخرین، حاجی الحرمین شیخنا وامامنا حضرت خواجہ

---

(۱) آپ کے خلیفہ سید شاہ نظام الدینؒ نے ''عقیدۃ الطالبین'' (فارسی) کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کو بانیٔ جامعہ نظامیہ حیدرآباد حضرت مولانا انوار اللہ فاروقی قدس سرہ نے مجلس اشاعت العلوم سے طبع فرمایا۔

(۲) یہ کتاب شاہ رفیع الدینؒ کی تالیف ہے جس میں حضرت خواجہ رحمت اللہؒ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

رحمت اللہ نائب رسول اللہ ﷺ قدس سرہٗ العزیز کے والد بزرگوار خواجہ عالم نقشبندی، ملک توران سے ہندوستان کی جانب سفر کر کے بیجاپور کے متصل موضع بلگاؤں (بلگام)[1] میں وارد ہوئے اور وہیں پر انہوں نے شادی کی۔ خواجہ رحمت اللہ کی ولادت وہیں ہوئی۔ بچپن ہی سے آپ کی پیشانی پر نیکی اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے، ان کی والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد ان کے والد بزرگوار نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔

حضرت خواجہ کی والدہ کا انتقال اور علاتی والدہ کا حال

چونکہ سوتیلی مائیں فطری طور پر اپنی سوتیلی اولاد سے عداوت رکھتی ہیں لہذا اسی جبلت کے زیر اثر انہوں نے گھر کے صحن میں موجود انار کے پودے کو اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالا اور تہمت خواجہ رحمت اللہ پر لگادی کہ انہوں نے توڑا ہے۔ اس واقعہ سے آپؒ بہت آزردہ ہوئے۔

کرنول کو روانگی

آپ نے اپنے والد سے اجازت لی اور خالہ کے گھر کرنول چلے آئے۔ کچھ دن کی تربیت پانے کے بعد خالہ کے کہنے پر اس ضلع کے ایک امیر کے ہاں دو گھوڑوں کے ملازم ہو گئے۔ ایک گھوڑے کی ماہوار ہر مہینہ راہِ خدا میں خیرات کر دیتے تھے، اور دوسرے گھوڑے کی ماہوار سے اپنا، خالہ کا اور نوکروں کا خرچ چلاتے تھے (جو وقت بچ رہتا اس میں) یادالٰہی میں مشغول ہو جاتے۔

حضرت سید علوی بروم سے بیعت

اسی دوران بیجاپور کے مشہور مشائخ حضرت علوی بروم کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کر لی۔

---

(۱) موجودہ ریاست کرناٹک کے ضلع بلگام کا مستقر ہے۔ شہر بیجاپور کے جنوب مغرب میں تقریباً دو سو کیلو میٹر پر واقع ہے۔ (قدیری)

حضرت سید اشرف مکی سے بیعت

جب ذوق وشوق اور صفائی باطن درجۂ کمال کو پہنچے تو حضرت رسالت مآب ﷺ کے حکم کی تعمیل میں آپ نے مکہ معظمہ کا سفر اختیار کیا اور حضرت سید اشرف مکیؒ سے اکتساب فیض کیا۔ اور مکہ میں جبل ابوقبیس پر سلوک کے تمام مدارج طے کئے۔

حج وزیارت کے بعد ہندوستان کو واپسی اور ''رحمت آباد'' بستی کا قیام

حج اور زیارتِ مدینۂ منورہ سے مشرف ہونے کے بعد حضرت خواجہؒ ہندوستان واپس ہوگئے۔ کچھ دن کرنول اور چند روز نندیال میں قیام کرنے کے بعد آرکاٹ کے نواحی علاقے میں قصبۂ ''انا سمندر'' میں تھوڑی سی زمین خرید کر ایک گاؤں آباد کیا' اس کا نام ''رحمت آباد'' (۱) رکھا اور وہاں مدت العمر قیام پذیر رہے' اور ایک جہاں کو حق تعالیٰ سے واصل بنایا۔

(توضیحی نوٹ:)

رحمت آباد کی زمین کی خریدی

روشن ضمیر، عالی فطرت، پاک طینت، اور منصف مزاج لوگوں پر واضح ہو کہ بیع نامہ کی رو سے رحمت آباد کی زمین کا سودا ۱۱۶۱ھ (1748ء) میں ہوا۔ بیع نامہ سید بدرالدین علی خان نے خود لکھ کر اس پر اپنی خاص مہر ثبت کی، اور خود انہوں نے خدمتِ عالی میں پیش کیا۔ اس کی خریدی کے بعد حضرت خواجہ قدس سرہٗ کڑپہ تشریف لے گئے اور جس سال ناصر جنگ نے شہادت پائی، آپ پھر رحمت آباد رونق افروز ہوئے۔ اور وہیں مقیم رہے اور کہیں کا سفر نہیں کیا۔

خس پوش مسجد میں بارہ سال نماز پڑھنے کے بعد ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں پختہ مسجد

---

(۱) ریاست آندھرا پردیش میں ''منڈلوں'' کے قیام سے پہلے محکمۂ مال (ریونیو ڈپارٹمنٹ) کے ریکارڈ میں انا سمدرم اور رحمت آباد شریف مزرعہ (Hamlet) کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب رحمت آباد شریف منڈل ہے جو اے ایس پیٹا کے نام سے موسوم ہے۔ منڈل کے تمام دفاتر، بینک، ڈاک گھر وغیرہ سب یہیں ہیں۔ عوام الناس ''پیٹا'' کہتے ہیں تو رحمت آباد شریف ہی ان کی مراد ہوتا ہے۔ ع غ۔

تعمیر فرمائی۔ مسجد رحمت آباد کی تاریخ تعمیر یوں فارسی میں نظم کی گئی ہے:۔

بہر کس را توئی امید رحمت — زطغریٰ سکہ زد من رحمت اللہ
کہ ہاتف گفت در تاریخِ مسجد — نمودند مسجد اقصیٰ رحمت اللہ
۶ ۷ ۱ ۱ ھ

ناصر جنگ کی تاریخ شہادت ''آفتاب رفت'' کے بموجب ۱۱۶۴ھ (1751ء) ہوتی ہے اور حیدر علی خان بہادر کا عروج ناصر جنگ کی شہادت کے بعد ہوا، پس مدعی کا یہ کہنا کہ انہیں حیدر علی خان بہادر نے قید کر دیا تھا ایک بہتانِ عظیم ہے، کیونکہ تاریخی شواہد سے یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔ (نوٹ ختم ہوا)۔

رحلت اور تجہیز و تکفین

نوے سال کی عمر میں آپ کے رخسار پر سرطان نکل آیا۔ ایک ماہ بعد اسی بیماری سے، شب جمعہ بعد مغرب ۲۶/ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ (۲۲/ مارچ 1781ء) کو قلعہ اودگیر (ضلع نیلور) میں انتقال فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

رات کا کچھ حصہ گذرنے کے بعد آپ کو غسل دیا گیا، غسل کے وقت آپ کے قلب مبارک کا مقام ذاکر اور متحرک تھا، جسے تمام حاضرین نے ملاحظہ کیا۔ دوسرے دن جمعہ تھا، آپ کا جسدِ خاکی رحمت آباد لاکر آپ ہی کی تعمیر کردہ مدینہ مسجد کے صحن میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ کے مزار مبارک پر اب نہایت عالیشان گنبد تعمیر ہو چکا ہے۔

قطعۂ تاریخ وفات

میر غلام علی آزاد بلگرامی ثم اورنگ آبادی نے تاریخ وفات یوں نظم کی ہے:۔

شہِ ملکِ ولایت رحمت اللہ — ز دنیا سوئے عقبیٰ رخت بربست
اگر پرسند تاریخ وصالش — بگو ''با رحمتِ اللہ پیوست''
۵ ۹ ۱ ۱ ھ

حضرتؒ کی ازواج

ہمارے حضرت خواجہؒ نے دو شادیاں کیں مگر اولاد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ پہلی بیوی سے ایک لڑکی تولد ہوئی تھی، لیکن پیدا ہونے کے چند دن بعد ہی وفات پا گئی۔

سجادہ نشین

حضرت موصوف کی وفات کے بعد بی بی صاحبہ قبلہ نے جو آپ کی دوسری بیوی تھیں اپنے بھتیجے غلام نقشبند نامی کو آپ کا خرقہ پہنا کر جانشین بنا دیا۔ حضرت غلام نقشبند کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے غلام محی الدین جانشین ہوئے۔

کتاب عقیدۃ الطالبین میں حضرت کی کرامات کا ذکر

حضرت خواجہ موصوف کی کرامات کا ایک شمہ بھی لکھنا یا بیان کرنا، اس ہیچمدان کے بس کی بات نہیں۔ شاہ نظام الدین نامی درویش نے بھی جو آپ کے خلیفہ تھے، آپ کے حالات وکرامات ایک مفصل کتاب ''عقیدۃ الطالبین'' میں تحریر کیے ہیں اگر طالبان صادق اس کتاب کا مطالعہ کریں تو ان کو خاطر خواہ معلومات حاصل ہوں گے، اور فیض کثیر حاصل ہوگا۔ اللھم انفعنا بہ وببرکات علومہ۔ آمین آمین آمین (اے اللہ ہم سب کو ان کے فیض اور ان کے علوم کی برکات سے مالا مال فرمادے) مولانا مولوی رفیع الدین صاحب قبلہ کی تصنیف ''الکلام الرفیع''[1] کی عبارت ختم ہوئی۔

فصل (۱) حضرت کے نام مکہ معظمہ کے ایک بزرگ کا خط

حضرت خواجہؒ گلزارِ سیادت کے پھول اور شاخسارِ خاندانِ نبوت کے بلبل تھے۔ اس کا

---

(۱) جس کتاب سے یہ عبارت لی گئی ہے اس کا نام مصنف علیہ الرحمہ نے ابتداء بیان میں ''الانفاس الرفیعہ'' بتلایا ہے اور یہاں ''الکلام الرفیع'' لکھتے ہیں!!! ان کتابوں کی غیر موجودگی میں حقیقت حال کا پتہ چلانا مشکل ہے۔

ثبوت نہ صرف فقیر کے بزرگوں سے ملا ہے، جو حضرت خواجہ کے اسلاف کے ہموطن تھے، بلکہ مکہ معظمہ کے بزرگانِ کرام آپ کو جن آداب والقاب سے یاد کرتے ہیں اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً شریفِ مکہ اور وہاں کے دیگر علماء، اور بڑے بڑے مشائخ آپ کا جس طرح احترام کرتے تھے، وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہاں میں نمونہ کے طور پر حضرت خواجہ رحمت اللہ نائبِ رسول اللہ ﷺ کے نام مکہ مکرمہ کے ایک بزرگ کا خط نقل کرتا ہوں:

۲

الحمدللہ وحدہٗ بعد تقبیل ایادی سیدی و سندی ومعتمدی وآیات الحجاب الرفیع والستر المنیع' فرع الشجرۃ الزکیۃ وطراز العصابۃ الھاشمیۃ السید الأجل الأمثل، الاعز الأکمل، الأمجد الأوحد، الأرشد المعتمد مولانا وحبیبنا، وذخرنا وملاذنا واعتمادنا السید الشریف المالک السید رحمت اللہ—حفظہ اللہ تعالیٰ وابقاہ وحرسہ ورعاہ من کل سوء ومکروہ ووقاہ وحماہ بجاہ جدہ خیر الأنبیاء مورخہ ۲۷ر جمادی الاخری ۱۱۹۱ھ (1777ء).

پیر سید علوی بروم بیجاپور کی نظر میں حضرت خواجہ کا مقام

نیز حضرت سید علوی بروم جو کہ حضرت خواجہ رحمت اللہ کے پیر طریقت تھے، حضرت خواجہ کو عطا کردہ (سلاسل کے) شجروں میں اور اپنے مکتوبات میں حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ کو سادات میں شمار کرتے تھے۔ اور ہمیشہ سید علوی بروم حضرت خواجہ کو اپنے دستِ مبارک سے ''میر رحمت اللہ'' لکھا کرتے تھے۔ مگر اس کی عدم شہرت کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت خواجہ ''مولانا سید سعید الدین[1] کاشغریؒ'' کا طرز اختیار کئے ہوئے تھے کہ جب تک آپ سے پوچھا نہ جاتا آپ سیادت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔

---

(۱) مولانا سعید الدین کاشغری مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے پیرو مرشد تھے، اس طرح گویا جامیؒ نے یہ سلسلہ دو طریقوں سے حاصل کیا تھا۔

فصل (۲) حضرت خواجہ رحمت اللہ کا حلیہ مبارک

اے مخاطب! دونوں جہاں میں اللہ تیرا بھلا کرے، تجھے جاننا چاہئے کہ کثرتِ انوار کے باعث حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے چہرۂ مبارک کے سامنے سورج کی ضیاء بھی شرما جاتی تھی۔ آپ کے رنگ کی صباحت اور ملاحت دیکھ کر شبنم زدہ پھول بھی عرق عرق ہو جاتے تھے، نورِ حق کی کثرت اور ان کی ذات کے رعب وداب کی شدت سے کسی کی یہ مجال نہیں ہوتی تھی کہ وہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔ پہلی ہی نگاہ میں لوگوں کی نظریں جھک جاتی تھیں:۔

ہیبتِ حق است این از خلق نیست ہیبت این مرد صاحب دلق نیست

(ترجمہ: یہ حق تعالیٰ کا رعب داب ہے مخلوق کا نہیں۔ یہ اس گودڑی والے کی شوکت نہیں)

خَیۡرُ الۡاُمُوۡرِ اَوۡسَطُهَا (ترجمہ: معاملات وامور میں بین بین رہنا سب سے اچھا ہوتا ہے) کے مصداق آپ میانہ قد تھے۔

حضرت خواجہ کی سبک رفتاری

روحِ سالک کی طرح اتنے سبک رفتار تھے کہ آپ کے خدام دوڑنے کے باوجود مثلِ نقشِ پا ان سے پیچھے ہی رہ جایا کرتے تھے۔ یاد پڑتا ہے کہ فقیر سے ان کے مرید سید یار محمد صاحب نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ: حضرت خواجہ ''دلائل الخیرات''[1] ہاتھ میں لئے پڑھتے ہوئے کھیتوں کے بیچ سے مثل نسیم بہار تیزی سے گذر جاتے تھے، کیا مجال کہ قدمِ مبارک کسی پودے پر پڑ جائے، یا اس کی کوئی شاخ ہی ٹوٹ جائے۔ میں خود ان کا مصلّٰی کاندھے پر ڈالے ہاتھ میں پانی کا لوٹا لئے ان کے پیچھے پیچھے سایہ کی طرح دوڑتا تھا۔ حضرت خواجہ دستار عربوں کی طرح باندھتے تھے اور جبہ بھی پہنتے تھے۔

---

(۲) دلائل الخیرات، درود پاک کا مشہور مجموعہ ہے، ہفتہ کے تمام دنوں میں یہ پڑھا جاتا ہے، ہر دن کا وظیفہ الگ الگ ہے۔ عموماً بعد از طلوع آفتاب پڑھا جاتا ہے اور دوشنبہ سے شروع کیا جاتا ہے۔

فصل (۳) حضرت کی خدمت میں باقر آگاہ کا منظوم خط

میرے استادِ محترم مولوی محمد باقر آگاہ [1] ویلوری جو مقتدائے وقت سید شاہ ابوالحسن قُربی [2] کے سلسلہ سے وابستہ اور اپنے عہد کے مقتداء تھے، حضرت خواجہ رحمت اللہ کی خدمت میں ہمیشہ تعریف وتوصیف سے بھرے ہوئے منظوم خطوط لکھ کر استدعاء کرتے تھے کہ ان کے حال پر نظر کرم رکھیں۔ میں بعینہٖ وہ اشعار نذر قارئین کرتا ہوں، اگر کوئی انصاف کی عینک سے بغور دیکھے تو اسے آپ کی عظمت وشان ان اشعار سے بھی بڑھ کر نظر آئے گی اور جو اولیاء کے کشف سے بھی ماوراء ہوگی: مثنوی

این نامہ زِ دل بہ دلستانے — از کالبدے بسوئے جانے
یہ خط ہے دل سے دلدار کی طرف (اور) — ایک (بے جان) جسم کی طرف سے روح کی طرف

از تشنہ لبے بچشمہ سارے — از خستہ دلے بہ غمگسارے
ایک پیاسے کی طرف سے بہتے چشمے کی طرف — ایک خستہ حال (دل جلے) کی طرف سے غمگسار کی خدمت میں

بے آبے قطرئے بہ بحرے — لب خشکے مزرعے بہ ابرے
ایک قطرۂ ناچیز کی جانب سے سمندر کی طرف (اور) — سوکھے کھیت کی طرف سے ابر (باراں) کی طرف

بے تابے ذرئے پیشِ خورشید — مسکینے مور سوئے جمشید
(گویا کہ) ایک ذرہ ایک بے تاب خورشید کے روبرو — (اور) ایک غریب چیونٹی جمشید کے دربار میں

---

(۱) آگاہ تخلص، محمد باقر نام، قوم نائطہ سے ہیں۔ آپ کے بزرگ بیجاپور سے ویلور آئے، یہیں پر آگاہ پیدا ہوئے۔ علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے درس وتدریس شروع کی، کلام فصیح وبلیغ ہے، آپ کی کئی کتابیں یادگار ہیں۔ ۱۲۲۰ھ (1805ء) میں وفات پائی، آپ نے حضرت ابوالحسن قربی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اوران سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔

(۲) سید ابوالحسن نام، اور قربی آپ کا تخلص تھا، ۱۱۱۷ھ (1705ء) میں بیجاپور میں پیدا ہوئے۔ بعد ازاں ویلور آئے اور تکمیل علوم کے بعد آپ نے سخن سنجی میں بھی مہارت حاصل کی۔ طبیعت کا میلان تصوف کی طرف زیادہ تھا۔ پہلے فخر الدین نائطی کے ہاتھ پر بیعت کی اور سلسلہ قادریہ میں منسلک ہوئے، پھر حضرت سید محمد علیؒ سے تمام سلاسل میں بیعت کی، آخر میں آپ نے حضرت خواجہ رحمت اللہؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ ورفاعیہ کی اجازت حاصل کی اور حضرت شیخ مخدوم ساوی کی خدمت میں بھی ذکر واشغال میں مصروف تھے۔ آپ سے ہزاروں طالبانِ حق نے استفادہ کیا۔ ۱۱۸۲ھ م 1768ء میں وفات پائی اور قلعہ ویلور کے خندق کے کنارے مدفون ہوئے۔

طومارِ غمے و غمزدائے　　　اندوہِ دلے بہ دلکشائے
غم کی داستان لئے ایک غمزدہ　　　رنجیدہ دل دلکشا کی خدمت میں

از تودۂ خس بہ دستۂ گل　　　از جزوِ کہین بہ عالمِ کل
ایک خاشاک کے تودے کی طرف سے گلدستہ کی خدمت میں　　　ایک ہیچ پوچ جزو کی جانب سے عالمِ کل کی خدمت میں

از تفرقئے بہ سوئے جمعے　　　از ظلمتِ محض سوئے شمعے
ایک بکھرے ہوئے شخص کی جانب سے جمعیت کی بارگاہ میں　　　(اور) ظلمتِ محض کی طرف سے شمع کی خدمت میں

از بندہ بہ شاہِ ارجمندے　　　از نقش بہ سوئے نقشبندے
ایک غلام کی طرف سے بابرکت بادشاہ　　　(اور) نقش کی طرف سے نقشبند کی طرف

یعنی برسد برحمت آباد　　　این خط بجنابِ شیخ عباد
یعنی رحمت آباد کو پہنچے　　　یہ خط عابدوں کے شیخ کی بارگاہ میں

آں خواجہ کہ بر رشید و گمراہ　　　دارد شفقت چو رحمت اللہ
یہ وہ خواجہ ہیں کہ اچھے اور برے　　　سب پر اللہ کی رحمت کی طرح ان کی شفقت ہے

طومارِ ثنائے او کہ خواند　　　سرِ حدِ مقامِ او کہ داند
ان کی تعریف کون بیان کرسکتا ہے　　　(اور) ان کے مقام کی حد کو کون جانتا ہے

جسمش شدہ جملہ ہوش در دم　　　بس ہوش چگونہ بیند عالم
ان کا جسم سارے کا سارا ''ہوش در دم'' ہوگیا ہے　　　پھر دنیا (ان کے اندر) ہوش کیوں کر دیکھ سکے گی

از بس بہ قدم نگاہ را دوخت　　　آئینِ نظر بہ پائے آموخت
(نظر برقدم) کی مداومت سے آپ کی نگاہ قدم پر جمی رہتی ہے　　　(اور) آپ نے پاؤں کو نظر کا طور طریقہ سکھا رکھا ہے

در شوقِ فنا بہ عزمِ سرشار　　　بر جائے نشستہ است سیّار
آپ فنا کے شوق میں ایسے سرشار ہیں　　　کہ باوجود بیٹھے رہنے کے متحرک ہیں

بر ذوقِ بقا درونِ محفل　　　از جملہ نہاں بہ خلوتِ دل
آپ بقا کے ذوق سے محفل کے اندر　　　دل کے خلوت کدے میں سب سے چھپے ہوئے ہیں

شد وصلِ دوام پائے مردش　　　حاجت نہ بوَد بیاد کردش
وصلِ دوام آپ ہی کا حوصلہ ہے　　　(کہ) ''یاد کرد'' کی اب حاجت نہ رہی

شد جائے قدیم باز گشتش　　　غیر آنچہ ندید در نوشتش
(ذات) قدیم کی طرف آپ کی بازگشت ایسی ہوگئی ہے کہ　　　آپ کو اُس کا غیر نظر ہی نہیں آتا

اکنوں بہ نگاہ داشتِ او
اب آپ کی ''نگاہ داشت'' کا یہ حال ہے کہ
در سرّ و علن نماند جز ''ھو''
پوشیدہ اور علانیہ سوائے ''ھو'' کے کچھ نہیں رہا

زیں بیش اگرچہ یاد می داشت
اس سے پہلے اگرچہ ''یادداشت'' تھی
اکنوں عَلَمِ شہود افراشت
(مگر) اب شہود کا جھنڈا لہرا رہا ہے

چوں رُستہ شد از قیودِ اعداد
جب آپ گنتی کے قیود سے آزاد ہوچکے ہیں
وصفش مکن از وقوفِ تعداد
تو (اے مخاطب) ان کے اوصاف کو بھی گنتی میں محدود نہ کر

چوں شد ہمہ عین نیست ہرگز
جب آپ تمام تر ''عین'' ہوگئے تو
مدحش بہ وقوفِ قلب جائز
(اب) آپ کی تعریف قلب حاضر کے سوا جائز نہیں

حل گشتہ بہ ہر مرید بے غش
آپ کے قلب کے لطف (وتوجہ) نے
از لطفِ دلش لطائف شش
آپ کے ہر مرید پر ''لطائفِ ستہ'' کھول دیے ہیں

دارم ادبِ مقامِ او پاس
مجھے آپ کے مقام کا ادب ملحوظ ہے
وصفش نہ کنم بہ پاسِ انفاس
(اسلئے) ''پاسِ انفاس'' کے معاملے میں آپکا وصف بیان نہیں کرونگا

شاہا بمن آں کجاست یارا
اے بادشاہ! مجھے اس کا حوصلہ کہاں
تا وصفِ تو گویم آشکارا
کہ آپ کا وصف تمام و کمال بیان کرسکوں

ہم خود تو مقامِ خویش دانی
آپ خود اپنا مقام جانتے ہیں
ہم خود تو ثنائے خویش خوانی
اور آپ خود اپنے اوصاف سے (بہتر) واقف ہیں

پیشِ تو کنم ہمی بنا چار
میں مجبور ہوکر آپ کی خدمت میں
احوالِ تباہِ خویش اظہار
اپنے حالِ تباہ کا اظہار کرتا ہوں

امروز کسے بجاہِ تو نیست
آج آپ کا ہم رتبہ کوئی نہیں
آں کیست کہ در پناہِ تو نیست
(اور) وہ کون ہے جو آپ کی پناہ میں نہیں ہے؟

اوصافِ تو بس شنیدہ بودم
میں نے آپ کے اوصاف بہت سُنے ہیں
نقشِ تو بہ دل کشیدہ بودم
(جس سے) میرے دل پر آپ کی تصویر نقش ہوگئی ہے

اکثر داشتم ایں خیال ہر دم
اکثر ہر وقت اسی خیال میں رہتا ہوں
کز رویتِ تو شوم مکرم
کہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوجاؤں

لیکن زِ زمانِ نا ملایم
لیکن زمانے کی ناسازگاری سے
با تو نہ شدم گہے ملازم
آپ کی خدمت میں کبھی حاضر نہیں ہوسکا

بایست کہ محض بہرِ ایں کار   می آمدم اے سراجِ ابرار
اس لئے مجھے چاہئے تھا کہ   آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اے نیکوں کے سردار!

لیکن زِ اُمورِ چند در چند   زیں فیضِ عمیم گشتہ ام بند
لیکن مختلف وجوہات سے   آپ کے فیضِ عمیم سے محروم رہا

الحال باقتضائے کارے   ایں جا برسیدہ ایم بارے
اس وقت ایک ضرورت کی بناء پر   یہاں پہنچا اور حاضر ہوا ہوں

ان شاء اللہ عن قریبے   گیرم زِ لقائے تو نصیبے
ان شاءاللہ عنقریب آپ کی ملاقات سے بہرہ ور ہوں گا

امیدِ من آنکہ گاہ گاہے   بر حالتِ من کنی نگاہے
مجھے اُمید ہے کہ کبھی کبھی   آپ میرے حالِ (زار) پر نظر فرمائیں گے

باشی پیے من بکار سازی   از ہمتِ خود مرا نوازی
آپ میری کارسازی کیجئے   (اور) اپنی عنایت سے مجھے نوازیے

دارم کہ دلِ حزین و مہموم   گم گشتہ میانِ نقشِ موہوم
میں ایک غمزدہ اور رنجیدہ دل رکھتا ہوں   اور اوہام میں کھویا ہوا ہوں

مشغولِ ہواجس و رغائب   با ایں بہ جنابِ تو ام راغب
اندیشوں اور خواہشات میں گھرا ہوا ہوں   پھر بھی آپ کی جناب سے رغبت رکھتا ہوں

از حالتِ شان درو نہ نامے   عامل نہ بحال نے مقامے
میں نہ ان کی جیسی حالت رکھتا ہوں نہ نام   نہ کسی حال پر عمل پیرا ہوں نہ میرا کوئی مقام ہے

با ایں ہوسِ عظیم دارد   خود را زِ عُبیدِ شاں شمارد
اس کے باوجود مجھے اس بات کی بڑی ہوس ہے   کہ خود کو آپ کے غلاموں میں شمار کروں

حیرت زدہ ام زِ دستِ ایں دل   شاید کہ کنی تو حلِّ مشکل
اس دل کے ہاتھوں حیرت زدہ ہوں   چاہیے کہ آپ میری مشکل حل فرمادیں

منِ بیکس و زخمہا نہانی   ہاں اے کسِ بیکساں تو دانی
میں بے سہارا ہوں اور میرے زخم پوشیدہ ہیں   مگر اے بے سہاروں کے سہارے! آپ خوب واقف ہیں

فصل (۴) حضرت خواجہ رحمت اللہ کے اوصاف

جناب خواجہ علیہ الرحمہ نہایت رحیم و حلیم تھے اور ابر رحمت کی طرح ہر معمولی اور معزز شخص کے ساتھ برابر رحم و کرم اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میری محبت بھی خدا کیلئے اور میری نفرت بھی خدا کیلئے ہے۔ یعنی "الحب للہ و البغض للہ" ان کی محبت وشفقت کا پھول "الحب للہ" کے باغ کی پیداوار تھا، اور ان کے غضب کا شعلہ جو در حقیقت حرارتِ خورشید کی طرح سراسر فیض و کرم تھا، صرف "البغض للہ" کے آتشکدے سے بھڑکتا تھا نہ کہ نفسانیت اور ہوا و ہوس کی بناء پر۔ چنانچہ اپنے مریدوں کو سخت تاکید کرتے تھے کہ اگر کوئی پیٹھ پیچھے میری برائی کر کے غیبت جیسی ام الخبائث میں مبتلاء ہوتا ہے تو خبردار اس سے دشمنی نہ کرنا اور نہ اس سے بدلہ لینا۔ اگر کوئی بدبخت اپنی ذاتی شقاوت کی بناء پر آپ کا شاکی ہوتا اور آپ کے معتقدین اس کا اظہار آپ سے کرتے تب بھی آپ غنچے کی طرح لب بند (خاموش) رہتے۔ جب کبھی وہ بدبخت گلے شکوے کرنے والا آپ کی خدمت والا کے چمن زار میں پہونچ جاتا تو حضرت خواجہ گل کی طرح شگفتہ ہو جاتے اور اس کے مشامِ دل کو اَخلاق و اَشفاقِ مالایطاق کی خوشبو سے معطر فرمادیتے۔ "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" (سورۃ الشوریٰ۔۴۰) (برائی کا بدلہ اُس جیسی برائی ہے) کے بجائے "فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ" (الشوریٰ۔۴۰) (جس نے درگذر کیا اور صلح کرلی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے) پر عمل کرتے، اور اس کی بدگوئی کا مطلق ذکر نہ فرماتے۔ اگر اتفاقاً محفلِ مبارک میں موجود آپ کا کوئی مرید اس بدکردار پر بگڑ جاتا تو آپ فوراً اس غصہ کرنے والے کو وہاں سے ہٹادیتے۔

فصل (۵) حضرت کا امراء وقت کے ساتھ رکھ رکھاؤ

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ خودداری، تمکنت و وقار کا ایک پہاڑ تھے۔ کبھی بھی وزراء اور امراء کی تعظیم کیلئے اپنی جگہ سے نہ اُٹھتے۔ ان کے خطوط کے جواب میں ہمیشہ ناصحانہ رنگ اختیار کرتے اور کبھی اپنی کوئی ضرورت اُن سے بیان نہ کرتے۔

بادشاہِ دہلی کی طرف سے دہلی تشریف لانے کی خواہش

آج سے ساٹھ سال پیشتر جب کہ حضرت خواجہؒ کڑپہ میں مقیم تھے، احمد شاہ[1] نے دہلی سے ایک عریضہ خدمتِ اقدس میں بھیجا کہ میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوکر پابوسی کی تمنا رکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی حکومت کے تمام علاقوں کے عمال اور عہدہ داروں کو آپ کے شایانِ شان استقبال کرنے کے تاکیدی احکام بھیجے۔ اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ بادشاہوں اور حاکموں کیلئے فقراء کی زیارت سے زیادہ اہم کام امرونہی کا نفاذ (واجبات کی ادائیگی اور خرابیاں دور کرنا) ہے، جس سے دنیا و عقبیٰ دونوں جگہ سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ فقیر کو معاف فرمائیں کہ وہ استغناء کے محراب سے نہیں نکل سکتا، کیونکہ اس کے پاؤں میں قناعت کی مہندی لگی ہوئی ہے۔ اور خاکساری کی زمین میں نقش پا کی طرح جما ہوا ہے۔

فصل (۶) اتباعِ شریعت میں اہتمام

آپ کی ذاتِ مقدس کے نیرِ اعظم کو طلوع سے غروب تک کبھی بھی کبیرہ گناہوں کا گہن نہیں لگا۔ یعنی پیدائش سے وفات تک زندگی بھر آپ کا دامن گناہِ کبیرہ سے پاک رہا۔ بلکہ کسی نے صغیرہ گناہوں کے بادل میں بھی آپ کو نہیں دیکھا۔ یعنی گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرتے بھی کسی نے نہیں دیکھا۔ شاہراہِ شریعت سے آپ نے کبھی بھی سرِ موانحراف نہیں کیا۔ بدعتوں سے کوسوں دور اور ہمیشہ سنتِ رسول اللہ کی پیروی میں حد درجہ کوشش فرماتے

---

(۱) احمد شاہ، مغل بادشاہ محمد شاہ روشن اختر کے بیٹے تھے، اور ۱۱۶۲ھ (1748ء) میں اپنے باپ کی وفات کے بعد تختِ دہلی پر بیٹھے، اور ان کے زمانے میں ہندوستان پر نادر شاہ اور مرہٹوں کے حملے شروع ہوگئے تھے۔ نیز احمد شاہ ابدالی نے بھی ہندوستان پر پہلا حملہ کیا۔ احمد شاہ سلاطین مغلیہ میں سب سے آخری سلطان تھے۔ اس کے بعد حکومت عملاً انگریزوں کی ہوگئی تھی۔

تھے بلکہ مستحبات میں سے ایک مستحب کو بھی ترک نہیں کیا۔ نہ کبھی نفس امارہ کی خواہش پر لطیف غذائیں حلق سے اتاریں۔ آپ کے والدِ ماجد دیارِ توران چھوڑ کر اسی طرح ہندوستان تشریف لائے تھے جس طرح حضرت آدم جنت سے دنیا میں آئے۔ اور اکثر ان کے مطبخ میں نفیس ولذیذ غذائیں پکتی تھیں، حضرت خواجہ رحمت اللہ اپنا حصہ ہمسایوں کو مرحمت فرمادیتے تھے، اوران سے سوکھی روٹی لے کر تناول فرمایا کرتے۔

فصل (۷) حضرت خواجہ کی سواری کا گھوڑا

اکثر ثقہ ومعتبر لوگوں سے یہ بات متواتر سننے میں آئی ہے کہ آپ کی سواری کا گھوڑا کبھی لوگوں کے کھیتوں سے گھاس کا تنکا تک نہ کھاتا، جب تک کہ آپ گھاس خرید کر اس کے سامنے نہ ڈالتے۔ سید شاہ نظام الدین نے بھی ''عقیدۃ الطالبین'' میں ایسا ہی تحریر کیا ہے۔

فصل (۸) بچپن میں آپ کے ساتھ ہم عمر لڑکوں کا برتاؤ

بچپن میں کھیل کے وقت جب آپ کے ہم عمر لڑکے ستاروں کے جھنڈ کی مانند ایک جگہ جمع ہوتے تو آپ کو اپنا پیرومرشد بنا کر ایک اونچے چبوترے پر بٹھا دیتے اور خود مریدوں کی طرح آپ کی خدمت میں دست بستہ کھڑے رہا کرتے۔

فصل (۹) حضرت کا طریقۂ تعلیم

آپ کے وعظ وارشاد کا کوئی معیّن وقت نہ تھا، جس وقت بھی خدام درخواست کرتے آپ ارشاد وتربیت سے دریغ نہ فرماتے۔ چنانچہ قدوۃ المحققین جناب مولوی شاہ رفیع الدین قدس سرہٗ اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ اپنے مریدوں پر نہایت شدید روحانی توجہ فرماتے یہاں تک کہ اکثر مرید از خود رفتہ ہو کر ہوش وحواس کھو بیٹھتے تھے۔

فصل (۱۰) حضرت کی صحبت کی تاثیر

اگر کوئی مخلص پابندی سے حضرت کے ساتھ باجماعت نماز پڑھتا تو فوراً گوہرِ مقصود کو پاکر ساحلِ اطمینان تک پہونچ جاتا (یعنی وہ نفسِ مطمئنہ کا درجہ حاصل کر لیتا اور "اَلاَبِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب" سے سرفراز ہو جاتا)۔

فصل (۱۱) رمضان المبارک میں حضرت کے معمولات

اکثر اوقات آپ نماز عشاء اولِ شب اور بعض دفعہ رات کے پہلے چوتھائی حصہ میں ہی اداء کرلیا کرتے تھے۔ ماہ صیام میں آپ کا معمول یہ تھا کہ روزہ داروں کو چھوارے، اُبلی ہوئی چنے کی دال، فیرنی اور پھلوں سے افطار کروا کر نمازِ مغرب کے بعد ان کو گیہوں کی آش پلوا کر محل کو تشریف لے جاتے۔ نصف شب کو مسجد میں تشریف لاتے، اور نمازِ عشاء وصلاۃ تراویح روزہ داروں کے ساتھ باجماعت اداء کرتے۔ "**راتب حداد**[1]"، سماعت فرمانے کے بعد عرب کے دستور کے مطابق قہوہ پلاتے، اس کے بعد دسترخوان پر تمام حاضرین کے ساتھ سحری کا کھانا کھا کر (نمازِ فجر کے بعد) نماز اشراق سے پہلے آرام نہ فرماتے۔ غرض رمضان المبارک کا پورا مہینہ حضرت کے لئے ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات ہوا کرتی تھی۔

فصل (۱۲) حضرت خواجہؒ کی توجہ کا اثر

اگر کوئی سخت دل خاکساری سے التجا کرتا تو فوراً آپ کی نظرِ کیمیاء اثر سے اس کی قلب ماہیت ہو جاتی (اس کی کیفیت بدل جاتی) اور اس کا دل زرِ خالص بن جاتا۔

---

(۱) رحمت آباد شریف میں حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی بناء کردہ مدینہ مسجد میں رمضان المبارک میں ہر شب نمازِ تراویح کے بعد الحمد للہ ذکر حداد آج بھی پابندی سے پڑھا جاتا ہے۔ سنا ہے کہ چند سال پہلے تک قہوہ بھی ٹرسٹ کی جانب سے مصلیوں کو تراویح کے ختم پر پیش کیا جاتا تھا۔ مگر اب موقوف ہے۔ (قدیری)

فصل (۱۳) جمعہ کے روز حضرت کا معمول

جمعہ کی نماز کے بعد آپ ختم قادریہ ونقشبندیہ[1] سے فارغ ہوکر فاتحہ پڑھتے، تو اس وقت آپ آپے میں نہیں رہتے تھے۔ شاید اس وقت پاک لوگوں کی روحیں حاضر ہوتی تھیں۔

فصل (۱۴) حضرت خواجہؒ کے مکارمِ اخلاق

آپ کے اخلاق کی وسعت کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی نو وارد آپ کی خدمت میں آکر عرض کرتا کہ میں مصمم ارادہ رکھتا تھا کہ فلاں بزرگ سے فیض حاصل کروں، مگر کیا کروں تقدیر نے مجھے برگِ خزاں رسیدہ کی طرف گرتا پڑتا آپ کی محفل میں پہونچادیا ہے۔ حضرت بجائے اس کے کہ اس سے بیعت لیتے جو راہ طریقت میں انتہائی ضروری ہے اپنی باطنی توجہ سے اس کے گلشن امید کو کچھ اس انداز سے سیراب کردیتے کہ اس کو اب کسی دوسرے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

فصل (۱۵) سفرِ حجاز کے وقت علاقۂ ملابار کے موضع کلانڑی میں حضرت سید حامد سے ملاقات

سفرِ حجاز[2] کے شروع میں ملیوار (ملیبار) سے آگے بڑھنے کے بعد حضرت نے موضع

---

(۱) ترکیب ختم خواجگان نقشبندیہ: دو رکعت نماز نفل جس میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص سات مرتبہ پڑھے۔ پھر اس کا ثواب خواجہ عبدالخالق غجدوانی، خواجہ یوسف ہمدانی، خواجہ ابوالحسن خرقانی، ابوعلی فارمدیؒ خواجہ طیفور شامی، خواجہ امیر کلال اور خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس اسرارہم کی ارواح کو بخشے۔
طریقۂ ختم: پہلے سورۂ فاتحہ سات بار، درود شریف سو بار، سورۂ الم نشرح ننانوے بار، سورۂ اخلاص ہزار بار، آخر میں سورۂ فاتحہ سات بار، درود شریف سو بار، پھر تمام ساتوں خواجگان کے نام فاتحہ پڑھ کر اُن سے اپنی مراد کی تکمیل کیلئے استمداد چاہے۔ اگر شیرینی و بخور بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ ختم پڑھنے والے پاک و صالح ہوں، سگریٹ وغیرہ پینے والے یا بدعتی نہ ہوں۔

(۲) یہ واقعہ عقیدت الطالبین کے فائدہ ہفتم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (قدیری)

کلانڑی میں مقبولِ بارگاہِ صمد، سید حامد بن محمد قدس سرہٗ سے ملاقات کی۔ رخصت ہوتے وقت بطورِ انکشاف (اُنکی) زبان الہام ترجمان سے نکلا کہ ان شاء اللہ دوبارہ ملاقات کروگے۔ ایک اور صوفی مشرب شخص بھی جن کی استعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ ان سے رخصت ہوئے، ان سے بھی انہوں نے وہی کہا جو خواجہ علیہ الرحمہ سے کہا تھا۔ جب حضرت اشرف الاولیاء کی نظرِ کیمیاء اثر سے (مکہ مکرمہ میں) حضرت خواجہ کی قلبِ ماہیت ہوگئی تو واپسی میں اسی شخص کے ہمراہ حضرت سید حامد بن محمد کی خدمت میں پہونچے۔

حضرت خواجہؒ کا چہرۂ مبارک دیکھتے ہی بے ساختہ اُن کی زبان سے نکلا کہ ''خام چاندی خالص سونے میں تبدیل ہوگئی''۔ اور دوسرے شخص کے متعلق جو حضرت کے ساتھ تھا کہنے لگے: ''تمہارا زرِ خالص پھر چاندی میں تبدیل ہوگیا''۔ شاید ان کے احوال کے پارے (پارہ آگ کے تماس کے بعد کالا ہوجاتا ہے) کو تفرقہ کی آگ نے چھولیا تھا۔

فصل (۱۶) نواب بسالت جنگ کی طرف سے تعمیرِ مسجد کا پیشکش

آج سے اکسٹھ سال پہلے نواب نظام الدولہ[1] آصف جاہ کے صاحبزادے نواب

---

(۱) نواب نظام الملک آصف جاہ کا نام میر قمر الدین تھا، اورنگ زیب عالمگیر نے ''چین قلیچ خان'' لقب دیا تھا۔ ۱۰۸۲ھ (1671ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے چھ بیٹے تھے: آصف الدولہ فیروز جنگ، نظام الدولہ ناصر جنگ، نواب صلابت جنگ، آصف جاہ ثانی میر نظام علی خان، بسالت جنگ، مغل علی خان...... بادشاہ دہلی فرخ سیر نے آپ کو ''نظام الملک بہادر فتح جنگ'' کے خطاب اور ہفت ہزاری منصب کے ساتھ انتظامِ دکن پر مامور کیا تھا۔ محمد شاہ کے زمانہ میں دکن کے خود مختار بادشاہ بن گئے اور ''سلطنت آصفجاہی'' یا ''مملکتِ نظام'' کی بناء رکھی۔

بسالت جنگ[1] اس علاقہ میں وارد ہوئے تھے اور اپنی خوش بختی سے خواجہ کے آستانے پر حاضری دی اور حضرت کا دل جیتنے کیلئے اپنے مصاحب ذوالفقار جنگ کی معرفت درخواست پیش کی کہ میں خس پوش جھونپڑی کی جگہ ایک پختہ خانقاہ و مسجد اور حوض بنوادوں گا اگر حضور اس پیش کش کو قبول فرمالیں تو عین غلام نوازی متصور ہوگی۔ اس زمانہ میں مسجد گھاس پھوس کی بالکل اسی طرح تھی جس طرح اہلِ مراقبہ کی بند آنکھوں پر پلکیں سایہ فگن رہتی ہیں، یا اس طرح تھی گویا مصحفِ شریف کے الفاظ پر اعراب لگے رہتے ہیں۔

حضرت نے پیشکش کو قبول کرنے سے اِعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ فقیر نہیں چاہتا کہ دولتمندوں کے ہاتھوں یہ عمارتیں تعمیر ہوں بلکہ مجھے کارسازِ بے نیاز (حق تعالیٰ شانہٗ) سے قوی امید ہے کہ حسبِ منشاء ان کی تعمیر کی بارگاہِ الٰہی سے کوئی نہ کوئی صورت نکل آئیگی۔

نواب صاحب کا دامن مالداروں کی لمبی لمبی آرزوؤں کی طرح خلاف شرع بہت لمبا تھا، اس پر آپ کی نظر پڑتے ہیں آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور حضرت خواجہ نے ایک ماہر درزی کے ذریعہ ان کے دامنِ دراز کو مختصر کروادیا اور پھر نواب صاحب کے ہوش کے کانوں کو پند و نصیحت کے موتیوں سے بھر دیا اور فرمایا کہ تمہارے والد سنجاف کی طرح دامنِ شرع شریف کو تھامے ہوئے تھے، اسی طرح تم جیسے سعادتمند بیٹے کیلئے بھی ضروری ہے کہ اپنے آبائی راستے سے نہ ہٹو بلکہ بخیہ (ایک قسم کا مضبوط سیون ہے۔ قدیری) جس طرح گریبان سے چپکا رہتا ہے اسی طرح تم بھی بزرگوں کی روش کو نہ چھوڑو۔

---

(۱) نواب بسالت جنگ، صلابت جنگ کے چھوٹے بھائی تھے اور بڑے بھائی نے انہیں ادھونی کا جاگیردار بنا رکھا تھا۔ نواب صلابت جنگ آصف جاہ اول کے تیسرے بیٹے تھے اور انہوں نے ۱۱۶۴ تا ۱۱۷۵ھ (1751 تا 1762ء) حکومت کی۔ بسالت جنگ ہی کے پاس ذوالفقار جنگ ملازم تھا۔ فرانسیسی جنرل موسیو لالی نے بسالت جنگ کو بھڑکا کر نواب والا جاہ اور انگریزوں سے لڑانے کی کوشش کی تھی۔ بسالت جنگ اس کی باتوں میں آکر یہ بھول گئے کہ انہی فرانسیسیوں نے نواب ناصر جنگ کو قتل کروایا تھا۔ یہ خبر سن کر والا جاہ نے بسالت جنگ کو تنبیہ کا خط لکھا۔ وہ تو لوٹ گئے مگر ذوالفقار جنگ کے ذریعہ موسیو لالی کی مدد کیلئے فوج بھیج دی۔ انجام کار اس جنگ میں ذوالفقار جنگ مارا گیا۔

فصل (۱۷) حضرت مخدوم ساوی[1] کی نظر میں حضرت خواجہ کا مقام

عارف معارفِ صمد شیخ علی محمد نے اپنی تصنیف میں تحریر کیا ہے کہ شیخ محمد مخدوم ساوی میلاپوری قدس سرہٗ الکہ کرناٹک کے اولیاءِ کبار میں سے تھے، ان کے پوتے جو کہ تقدس میں مشہور ومعروف ہیں یعنی معدنِ عرفان محمد عثمان نے روایت کی ہے کہ ان کے شیخ سید عبدالقادر خانؒ فرماتے تھے کہ دادا جان (شیخ محمد مخدوم ساوی میلاپوری) کی ملاقات حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہما الرضوان سے کڑپہ کے علاقہ میں ہوا کرتی تھی، حضرت مخدوم نے عرب وعجم کی سیاحت کے دوران بڑی بڑی ہستیوں سے اکتسابِ فیض کیا تھا، ان میں سے ایک جناب خواجہ علیہ الرحمہ بھی تھے، موصوف جب کبھی اپنی محفل میں حضرت خواجہ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ زندگی بھر میں نے کبھی ایسی جلیل القدر کامل واکمل ہستی نہیں دیکھی، ان کے حضور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میں اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں حاضر ہوں۔

فصل (۱۸) حضرت مخدوم ساوی کا ایک اور ارشاد

حضرت محمد فقیر قدس سرہٗ جو اپنے خاندان کا فخر سمجھے جاتے تھے اور حضرت شیخ محمد مخدوم ساویؒ کے مرید تھے اور کمال کی تکمیل کرنے کیلئے خواجہ نور اللہ مضجعہٗ کے طالب ہوگئے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے مرشد، حضرت خواجہ رحمت اللہ کے متعلق بارہا کہا کرتے تھے کہ انہیں حقیقت محمدی حاصل ہے اور وہ ہمیشہ اس شرف سرمدی سے مشرف ہیں۔

فصل (۱۹) حضرت کا عشقِ رسول ﷺ

حضرت خواجہ سراپا عشقِ محمدیؐ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اپنی جان کو ان کی محبت میں قربان کر کے اپنی تمام املاک کو نذرِ رسول فرما چکے تھے۔ چنانچہ مسجد پر بھی "ھذا مسجد النبی المدنی" (یہ نبی مدنی کی مسجد ہے) لکھوا دیا تھا۔

---

(۱) شیخ مخدوم محمد ساوی میلاپوری: آپ کے آباء واجداد قصبۂ میلاپور چیناپٹن آکر مقیم ہوگئے تھے، اور سب سپاہ پیشہ تھے، والد کے انتقال کے بعد آپ کو خدا طلبی کے شوق نے سیاحت پر آمادہ کیا، بسنت نگر آکر سلسلۂ قادریہ کے بزرگ ناصر شاہ کی خدمت میں رہنے لگے، ان سے خلافت حاصل کر کے حرمین شریفین گئے، اور تین برس تک قیام کیا۔ آنحضرتؐ کے حکم سے دکن لوٹ آئے، اور رشد وہدایت میں مشغول ہوگئے۔ مریدوں کے علاوہ کسی اور کے سامنے اسرار ورموز کا ذکر نہیں کرتے تھے، تصوف میں آپ نے کئی جدید اصطلاحیں وضع کی ہیں، ۱۱۶۵ھ (1752ء) میں حیدرآباد میں انتقال فرمایا، جسد خاکی کو کچھ دنوں بعد میلاپورم لے جا کر دفن کیا گیا۔

موضع احمد پور (وقف) کا ذکر

جب کبھی موضع احمد پور جاتے جو نیازِ رسول میں وقف تھا تو اس کی آمدنی میں سے کچھ نہ لیتے اور نہ اس کی پیداوار سے کبھی کچھ کھاتے، یہاں تک کہ پانی بھی اپنے ہمراہ رحمت آباد سے لے جاتے۔ اور اس موضع سے جو کچھ وصول ہوتا سب کا سب مدینہ منورہ بھیج دیا کرتے۔ قدوۃ السالکین حضرت مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہٗ اکثر بیان کرتے تھے کہ حضرت خواجہ رحمت اللہؒ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کوئی حاجتمند موضع احمد پور کے بنگلہ میں نہایت خشوع و خضوع، عجز و انکسار سے بارگاہِ قاضی الحاجات میں ہاتھ پھیلا کر دعاء کرے تو ان شاء اللہ جلد ہی اس کی مراد بر آئے۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ جس شخص کے دل کی کلی حضرت کے لطف و کرم سے کھل اُٹھتی تھی تو اسے اپنے ہمراہ اس بستان سرا میں لے جا کر فصل بہار کی مانند خرقۂ خلافت سے سرفراز فرما دیتے تھے۔ چنانچہ میری روح کو بھی اُسی جگہ (حضرت نے) اپنے ارشاد کی خوشبو سے معطر فرمایا ہے اور کمالِ شفقت سے خرقۂ مذکور سے نوازا ہے۔

دیدارِ روضۂ رسول اللہ ﷺ کی تاثیر

عارفِ معارفِ صمد حضرت شیخ علی محمد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں ایک دن آنجناب کی خدمت میں کھڑا تھا۔ آپ نے میری جانب رخ کر کے فرمایا کہ کوئی کتنا ہی سنگدل کیوں نہ ہو روضۂ رسولِ اکرم ﷺ کی ضیاء دیکھے تو جس طرح اولے پگھل جاتے ہیں (اسکا دل) بے اختیار پگھل جائے گا۔ یہ کہتے جاتے اور اشکوں کے موتی پلکوں کی سوئیوں میں پروتے جاتے تھے۔

فصل (۲۰) پیر اور مرید کے بارے میں حضرت کا ارشاد

آں جناب پیر و مرشد کے کفر[1] اور مرید کے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے فرمانے

---

(۱) صحیح بخاری شریف میں ایک باب ہے "کفر ان العشیر کفر دون کفر" یعنی معروف کفر سے ہٹ کر ایک طرح کا کفر اپنے زندگی کے ساتھی شوہر کا کفران نعمت ہے۔ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ کسان کیونکہ دانہ کو زمین میں چھپاتا ہے اسلئے عربی زبان میں اس کو "کافر" یعنی چھپانے والا کہتے ہیں۔ یہاں پیر کے کفر کے یہی معنی لینا مناسب ہے۔

لگے کہ پیر جب مرید کی تربیت شروع کرتے وقت اپنے کچھ کمالات اس سے چھپاتا ہے تو گویا یہ مرید کیلئے تو عین اسلام ہے لیکن مرشد کیلئے موجب کفر ہے۔

فصل (۲۱) راہِ سلوک میں نفس وشیطان سے رکاوٹ

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ سالک کی راہ سلوک میں دو چیزیں روڑے اٹکاتی ہیں۔ ایک کمینہ نفس، اور دوسرا ملعون شیطان۔ جب تک کہ ان دونوں پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے تب تک سالک اپنے کو منزل مقصود تک قطعاً نہیں لے جاسکتا۔

فصل (۲۲) توحید کے بارے میں حضرتؒ کی اپنے مریدوں کو ہدایت

آنجناب اپنے مریدوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ زرِتوحید کو (بند) غنچہ کی طرح دل کے کیسہ میں چھپائے رکھنا موجب جمعیت واطمینان قلب ہوتا ہے۔ اور اسے (کھلے ہوئے) پھول کی طرح اظہار کی ہتھیلی پر رکھنا پریشانی وآفت کا باعث ہوتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی خدمت میں آکر جو لوگ سلاسل علیہ قادریہ، چشتیہ اور رفاعیہ سے منسلک ہوجاتے تھے ان کے بآواز بلند ذکر کرنے پر سخت پابندی لگادیتے تھے[1] (انکو حکم ہوتا) کہ یہ لوگ صحراؤں میں جاکر پوری قوت سے بآواز بلند ذکر کی مشق کریں تاکہ کسی کے کان تک نہ پہنچے۔

فصل (۲۳) کثرت درود شریف کی ہدایت

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی روحِ پرفتوح پر درود پاک کی بارش کے قطرے بھیجنا سالک کے مقصد کے پودے کی نشوونما کا موجب ہوتا ہے جتنا ہو سکے اتنا درود پڑھنے میں کوشش کرتا رہے۔

---

(۱) سلسلہ نقشبندیہ میں بلند (اونچی) آواز میں ذکر کرنے کی سخت ممانعت ہے۔

فصل (۲۴) غافلوں اور عارفوں سے شیطان کا برتاؤ

حضرت فرماتے تھے کہ شیطان کی مثال چور کی سی ہے، چور کا کام یہ ہے کہ سوتے ہوئے آدمیوں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چھاپہ مارتا ہے، مگر جاگتے ہوئے آدمی سے دور بھاگتا ہے۔ وہ لعین غافلوں پر بے جھجک حملہ کرتا ہے لیکن عارفوں سے دور بھاگتا ہے۔ لیکن کبھی (عارفوں کو بھی) فریب دینا چاہتا ہے جو اس کی فطرت ہے مگر "لاحول" کے تھپڑوں سے بری طرح مار کھا کر بھاگتا ہے۔

فصل (۲۵) اہل اللہ سے دنیاداروں کے میل جول کا مقصد

حضرت کا ارشاد تھا کہ دولتمند لوگ فقراء اور اہل اللہ سے محض دنیاوی فوائد کے پیش نظر میل جول رکھتے ہیں، نہ کہ اپنی عاقبت سدھارنے کیلئے۔ جب بھی انکا یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اللہ و رسول کا خوف (اور پاس ولحاظ) ان کے دل کی تختی سے دھل جاتا ہے، اور دنیا میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا اور اپنی بداعمالیوں پر نادم ہونا ان سے ممکن نہیں رہتا۔ الا ماشاء اللہ۔

فصل (۲۶) حضرت اسرار اللہ کا حضرت خواجہ کے بارے میں خیال

ضلع کرنول کے قصبۂ نندیال میں جس وقت آپ قیام پذیر تھے، اسرار اللہ نامی ایک اہل اللہ کا وہاں سے گذر ہوا جو کہ مردانِ خدا میں سے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے بے حد اصرار کیا کہ آپ بستی میں تشریف لے آئیں، مگر انہوں نے ایک نہ سنی، اور یہی فرمایا کہ مجھے اس قصبہ سے "شیر" کی بو آ رہی ہے۔ اور میرے دل پر ہیبت و خوف طاری ہو رہا ہے۔

فصل (۲۷) سفر حجاز کیلئے دیوانِ حافظ سے فال

جب آپ نے سفر حجاز کا ارادہ کیا تو خواجۂ بزرگؒ کے طریقہ کے مطابق دیوانِ لسان الغیب (دیوان حافظ) کو تفاوُلاً کھولا تو صفحہ کے شروع میں اس غزل پر نگاہِ مبارک پڑی :

اَی بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی   تا راہرو نباشی، کے راہبر شوی

در مکتبِ حقائق پیشِ ادیبِ عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

دست از مسِ وجود چو مردانِ حق بشوی   تا کیمیائے عشق بیابی و زر شوی

خواب و خورش زِ مرتبۂ خویش دور کن   آنگہ رسی بخویش کہ بیخواب و خور شوی

گر نورِ عشقِ حق بدل و جانت اوفتد   باللہ کز آفتابِ فلک خوبتر شوی

یکدم غریقِ بحرِ فنا شو گماں مبر   کز آبِ ہفت بحر بیک موئے تر شوی

از پائے تا سرت ہمہ نورِ خدا شود   در راہِ ذوالجلال چو بے پا و سر شوی

وجہِ خدا اگر شودت منظرِ نظر   زین پس شکے نماند کہ صاحب نظر شوی

بنیادِ ہستیٔ تو چو زیر و زبر شود   در دل میار ہیچ کہ زیر و زبر شوی

گر در سرت ہوائے وصال است حافظا   باید کہ خاکِ درگہِ اہلِ ہنر شوی

فصل (۲۸) سفر حجاز سے واپسی پر حضرت علوی بروم کی خدمت میں حاضری

سرزمینِ حجاز سے گوہرِ مقصود حاصل کرنے کے بعد جب آپ لوٹنے لگے تو راہ میں سید علوی بروم قدس سرہٗ سے نیاز حاصل کیا، انھوں نے آپ کے درجات عالی دیکھ کر خواہش ظاہر کی کہ ان پر بھی کچھ توجہ باطنی ہو جائے۔ مگر حضرت خواجہ نے حفظ مراتب کے

پیش نظر بے ادبی سمجھ کر ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، اور فرمایا کہ اگر اپنے صاحبزادوں کو غلام کے تفویض فرمائیں تو میں حاضر ہوں، بقدر حوصلہ ان کی تربیت کرونگا۔

فصل (۲۹) اپنے مریدوں پر توجہ دینے کی کیفیت

آنجناب اپنے مریدوں کو اپنی باطنی توجہ کے ایک ہی جام سے اس قدر مست وبیخود کردیتے تھے کہ نماز اشراق تک کوئی بھی آنکھ نہیں کھولتا تھا۔

فصل (۳۰) حضرت خواجہؒ کے فارسی اشعار

کبھی کبھی آپ کی طبعِ موّاج سے شعروسخن کے گوہرِ آبدار بھی نکل آتے تھے، جن میں تصوف کی آب وتاب نمایاں ہوتی تھی، چنانچہ دوشعر جو مجھے یاد رہ گئے ہیں وہ نذرِ قارئین ہیں: ؎

از درونِ خود آشنا شو کار با گفتار نیست	بادلِ وحدت نظر کن یار با اغیار نیست
رحمت اللہ حق بجو، از خودخودی را دور کن	خود نباشی حق نماید حجت وتکرار نیست[1]

فصل (۳۱) آپ کے استاد کا آپ ہی سے لوائح شریف پڑھنا

آپ نے عالمِ باعمل واقفِ اسرارِلم یزل شیخ اکبر محمد عمر سے لوائح[2] شریف پڑھی تھی۔ اور جب مکہ مکرمہ میں حضرت اشرف الاولیاء کی نظرِ کرامت اثر سے آپ ولایتِ

(۱) ان پاکیزہ اشعار کا ترجمہ شاید ان اردو اشعار سے ہوسکتا ہے:

اپنے باطن کی خبر لے چھوڑدے سب قیل وقال	دیکھ وحدت کی نظر سے، غیریت دل سے نکال
جستجو میں حق کی رہ اور چھوڑدے اپنی خودی	رحمت اللہ تو نہ ہوتو جلوہ گر حق ہوتبھی

(۲) لوائح: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی مشہور کتاب ہے جو بے حد گہرے عرفانی مضامین اور حقائق ومعارف سے بھری ہوئی رباعیوں پر مشتمل ہے۔

باطنی کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوئے اور آیت رحمت کی طرح وطن میں نزولِ اجلال فرمایا تو اِن ہی محمد عمر صاحب نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے وہی کتاب آپ سے پڑھی اور سند حاصل کی۔

فصل (۳۲) حضرات غریب نوازؒ اور بندہ نوازؒ سے اکتساب فیض

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ میں نے محبوبِ رب العالمین حضرت خواجہ معین الدین نور اللہ مضجعہٗ کے چمن زارِ ولایت سے اپنا دامن بھر کر گلہائے مقصود چنے ہیں، اسی طرح حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسودراز کی درگاہِ فلک اشتباہ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اجمیر شریف سے سفر کرتا ہوا رحمت آباد پہونچ کر سلسلۂ علیہ چشتیہ میں داخل ہوا، چند دن بعد حضرت خواجہؒ نے اسے زادِ راہ دے کر رخصت کرتے ہوئے اجمیر روانہ کیا، اور فرمایا کہ جب تم حضرت خواجہ معین الدین کی بارگاہِ اقدس میں پہونچو تو میری طرف سے ان کی روحِ پرفتوح پر فاتحہ پڑھنا اور پھر گلدستۂ ہفت سلام پہونچا دینا۔

فصل (۳۳) روضۂ حضرت غوثِ اعظمؒ پر حاضری

حضرت خواجہ رحمت اللہ بغدادِ شریف پہونچتے ہی ایک شبانہ روز تک بارگاہِ ملائک سجدہ گاہ، جگر پارۂ بتول، قرۃ العینِ مرتضیٰ، سلالۂ آل عباء، مرجعِ اقطاب، محبوبِ رب الارباب، غوث صمدانی، سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ میں سروِ آزاد کی طرح ایک پیر پر انتظارِ فیض میں کھڑے رہے۔ اور پھر جب مکرمت کے اس ابرِ رحمت نے برس کر سیراب فرمادیا تو وہاں سے کوچ کیا۔

فصل (۳۴) تنگی وخوشحالی میں نفس پر قابو

جب حضرت خواجہؒ نے فقیری کی بادشاہی کا تاج اپنے سر پر رکھا تو سب سے پہلے

نفس امارہ کی جنگ میں استغناء کی شمشیر سے دستِ طلب کا سراڑا دیا۔ ابتداءِ حال میں تو تین تین دن تک متواتر فاقہ کشی کا لشکر آپ پر حملہ کرتا تھا، آپ شکم پر سنگِ قناعت باندھ لیا کرتے، پامردی سے ڈٹے رہتے، اور آخر تک استقامت کی سپر نہ ڈالتے۔ جب عسرت حد سے تجاوز کر گئی تو ایک رات ایک شخص نفیس ولذیذ کھانوں کا خوان سر پر اٹھائے آپ کی خدمت میں پیش کیا، لیکن صبح کوئی طبق، سرپوش اور برتن لینے نہیں آیا، یہ حال دیکھ کر آپ کے خدام آپس میں کہنے لگے کہ بے شک یہ تو غیب کے مطبخ سے بھیجا گیا تھا۔ اور پھر آخر میں رزاق علی الاطلاق سبحانہ وتعالیٰ شانہ نے کسی کے ''مَنّ واذی'' کے بغیر آپ پر رزق و رفاہِ ظاہری کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ مساکین ویتامی جوق درجوق آپ کے دسترخوان سے اپنے مقدر کا رزق حاصل کرتے رہے، اور سلطان الابرار خواجہ عبیداللہ احرار رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کی تعریف وتوصیف کرتے نہ تھکتے۔

فصل (۳۵) حضرت خواجہؒ کی مُہر اور کتابوں پر اپنا نام

حضرت خواجہؒ جب کسی کو خط تحریر کرواتے یا کچھ لکھتے تو آخر میں اپنی مہر [۱] ثبت کرنے کے بعد اپنے دست مبارک سے ''فقیر الی اللہ خواجہ رحمت اللہ'' تحریر فرماتے۔ اور کتابوں کے سرورق کی پشت پر ''المالک ھو اللّٰہ فی تحویل خواجہ رحمت اللہ'' (مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، خواجہ رحمت اللہ کی تحویل میں ہے) تحریر فرماتے۔

فصل (۳۶) مایوسی سے اجتناب کی تاکید

اکثر فرماتے تھے کہ جب کوئی کام ہاتھ سے جاتا رہے اور بن نہ سکے تو مایوس

---

(۱) یہ مہر اب بھی حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے سجادگان کے خاندان کے ایک فرد جناب غلام یوسف نقشبندی کی تحویل میں ہے جس کی زیارت سالانہ عرس کے موقعہ پر ۲۵ ربیع الاول کو کرائی جاتی ہے۔ (عبدالغفور)

دنا امید ہو کر نہ بیٹھنا چاہئے، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ ''ایک سانس بھی رہے تو ہزار امیدیں باقی رہتی ہیں''۔ بارگاہِ رب العزت سے امید بندھی رہنی چاہئے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر'' (بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

فصل (۳۷) ایک مشہور مقولہ سے حضرت خواجہؒ کا عدم اتفاق

ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے لوگوں کے اس مقولے سے سخت حیرت ہوتی ہے کہ ''پیراں رامریدان می پرانند'' (پیروں کی پرواز مریدوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے) کیونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ جس پر اپنا کرم کردیتا ہے اس کو کسی کے اُڑانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہاں جو ناقص اور شل ہوتے ہیں ان کے حق میں یہ بات درست ہوسکتی ہے کیونکہ کاغذ کی پتنگ خود بخود نہیں اُڑسکتی، اس کے لئے ہوا اور دھاگے کا ہونا ضروری ہے۔

فصل (۳۸) بزرگوں کا تذکرہ کرنے میں حضرت خواجہؒ کا انداز

جب کبھی آپ کی محفل میں بلبلانِ قدس (دربارالٰہی کے مقربان) کا ذکر آتا تو آپ مثل گل ان کی تعریف وتوصیف میں کھل اٹھتے اور بزرگان دین میں کسی ایک کی شان میں بھی مثل سوسن زبان درازی نہ کرتے۔ باوقار اور نیک صفت بزرگوں کا شیوہ یہی ہوتا ہے۔ نہ کہ ان مولویوں کی طرح جو تسبیح کے دانے ہاتھ میں گھماتے ہوئے چوزوں والی مرغیوں کی طرح چند لونڈوں کو جمع کرکے ان کے سامنے شاہبازان طریقت یعنی صوفیائے کرام کی پوستین پہن کر بزرگوں پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو مفت میں قہر وغضبِ الٰہی کے شاہین کا شکار بنا ڈالتے ہیں۔

حضرت مجددِالف ثانی پر اعتراض اور اس کا جواب

خاص طور پر تحقیق کے رنگ وبو سے عاری افراد محض افتراء پردازی کی خاطر مرغ کی بے وقت بانگ کی طرح آفتابِ فلکِ شریعت اور ماہتابِ سپہرِ طریقت قطبِ ربانی مجددِ

الف ثانی جناب شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ العزیز کے بے خزاں گلشنِ ملفوظات[1] کو اس طرح توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں کہ اس کو سن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور دل لرزنے لگتا ہے۔ چنانچہ "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ" کے بمصداق ان کور باطن بد بخت لوگوں کے ساختہ و پرداختہ (من گھڑت) اعمال و اشغال بطور نمونہ تحریر کر رہا ہوں کہ "مشتے نمونہ از خروارے" تا کہ دانشمند لوگ ان گمراہوں کے بے اصل بیانات کو بے معنی خرافات سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ دراصل اس قسم کے لوگ رات دن زرِ سرخ (خالص سونا یعنی مال و دولت) کے تصورات میں مگن رہتے ہیں جو انہیں رؤسا کی سرکار سے مسلمانوں کی تعلیم کی اُجرت میں ملتا ہے، اخلاص و خیر کی باتوں سے دم سادھے ہوئے رہتے ہیں۔ "قربِ فرائض" ان کے نزدیک مالداروں کی مصاحبت اور ان کے زانو سے زانو لگا کر بیٹھنا ہے۔ اور امراء کی بے جا مدح سرائی ان کا "قربِ نوافل" ہے۔ ہمیشہ حقہ پیچوان سے گانجے کا کش لگانے والے مرشدوں کی طرح مخمور، اور نظر ہمیشہ اپنے درباری دوستوں کے قدموں پر لگی رہتی ہے۔ فاعل و مفعول کا تذکرہ ان کا "ذکر چہار ضربی" وہ بھی بابِ دوم سے (یعنی ہمیشہ لونڈے لونڈیوں کا ذکر ان کی زبان پر رہتا ہے) اور ان کا ذکرِ خفی اپنی روزی روزگار میں اضافے کی سرگوشیاں ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے چاپلوسی اور دنیا طلبی کی خاطر رئیسوں کی لاشوں کی غسالی اور حمالی کا کام اپنے ذمہ لے رکھا ہے، اور اسے اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی نجاستوں میں آلودہ ہو کر اور معدۂ نفس کی غلامی اختیار کرنے کے باوجود (یہ دریدہ دہن لوگ) نہایت بے حیائی کیساتھ پاک ہستیوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ بیت:

چون خدا خواہد کہ پردہ کس درَد
میلش اندر طعنۂ پاکان زند

---

(۱) مکتوبات امام ربانیؒ

(جب خدا کسی شخص کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو پاک لوگوں پر طعنہ زنی اُسے پسند آنے لگتی ہے)۔

ضمیرِ آفتاب نظیر رکھنے والوں اور مسند عدل و انصاف پر بیٹھنے والوں پر یہ بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ جناب شیخ قدس سرہٗ[1] کا ایک مرید تھا جس کا نام حسین خانؒ[2] تھا، (جو از قوم روہیلہ تھا) اسے کسی فروگذاشت پر آپ نے ابلیسِ پرتلبیس کی طرح اپنی بارگاہ سے نکال دیا تھا، اس بد باطن روہیلہ نے چند بے سروپا باتیں گھڑ کر آپکی تصنیفات میں درج کردیں۔ (پھر کیا تھا) متعصب لوگ اسے اپنے لئے عصائے طریقت سمجھ کر اندھوں کی طرح معصیت کی گندی نالی میں جا پڑے۔

---

(۱) حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ

(۲) یہاں مصنف کو کچھ غلط فہمی معلوم ہوتی ہے، اصل واقعہ یوں ہے کہ حضرت مجددؒ کے ایک مرید تھے جن کا نام شیخ بدیع الدین تھا، یہ حضرت کی جانب سے مغلیہ دارالحکومت آگرہ میں رشد و ہدایت پر مامور تھے، ان میں جوش اور جذبہ زیادہ تھا، آگرہ میں گو اُنہیں بہت ناموری نصیب ہوئی مگر مخالفت کا بازار بھی کافی گرم ہوگیا۔ شیخ بدیع الدین نے مخالفت کی پرواہ کئے بغیر ایسی بلند عارفانہ باتیں بھی کہنی شروع کردیں جن کا عوام پر اظہار مناسب نہ تھا، غرض ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، جس کے نتیجہ میں نہ صرف ان پر بلکہ خود حضرت مجددؒ پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی، سب سے زیادہ دفترِ اول کے گیارہویں خط پر تنقید کی گئی جس میں حضرت مجدد اپنے روحانی عروج کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ ''اس مقام کے ملاحظے کے وقت بہت سے اور مقامات ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے۔ جب پہلے مقام سے اوپر کے مقام پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ حضرت ذوالنورینؓ کا مقام ہے...... اس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت فاروق اعظمؓ کا مقام ہے...... اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبرؓ کا مقام ظاہر ہوا...... بندہ اس مقام پر بھی پہونچا اور اپنے مشائخ میں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پایا تھا...... اور اس مقام کے اوپر سوائے آنحضرت ﷺ کے اور کوئی مقام معلوم نہیں ہوتا اور حضرت صدیق کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا ظاہر ہوا اور وہ مقام اس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا...... معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت ہے اور وہ مقام رنگین اور منقش تھا، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جناب شیخ قدس سرہ، جن کی عظمت وشان کشفِ اولیاء سے کہیں بلند تر ہے حاشا وکلا ان کی ذات سے اس قسم کی بے ادبی [1] بھی ظہور میں آئے ناممکن! اور وہ بھی حضور اکرم کی شان میں جن کے نعلینِ مبارک پر اپنی جان فدا کرنے کیلئے تیار تھے اور ہمیشہ آپ کی جانب لولگائے رہتے تھے، اور قدم قدم پر آنخضرت کی پیروی کرتے تھے۔

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)..... اپنے آپ کو بھی اس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا۔"

اس پر بہت اعتراضات ہوئے کہ حضرت مجددؒ اپنے آپ کو صدیق اکبرؓ سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ لوگوں نے آپ سے اس سلسلہ میں تشفی چاہی تو آپ نے کہا وہ خط تو میں نے اپنے مرشد کو لکھا ہے اور مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ سلوک کی راہ میں جن تجربات سے دوچار ہو، اپنے مرشد کو واقف کرائے تاکہ اگر کہیں غلطی ہو رہی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ مگر معترضین اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے، اور بہت سے آپ کے مرید بھی مذبذب ہو گئے۔ اس پر آپ نے صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا کہ میں قطعاً اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبرؓ کے برابر نہیں سمجھتا۔

اس کے باوجود اعتراض کا بازار گرم ہوتا گیا اور علمائے ظاہر بین نے جہانگیر سے شکایت کی کہ حضرت مجدد جو ایسے دعوے کر رہے ہیں اس سے ہنگامہ پیدا ہو سکتا ہے اور چونکہ ان کے ہزاروں مرید ہیں اس لئے حکومت کو بھی خدشہ ہے۔ جہانگیر نے آپ کو بلایا۔ "حضرات القدس" کے مؤلف مولانا بدیع الدین سرہندی نے اس ملاقات کا ذکر یوں کیا ہے کہ بادشاہ نے آپ سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے آپ نے لکھا ہے کہ میرا مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ سے بلند تر ہے؟ یہ سن کر آپ نے ایک مثال بیان کی کہ مثلاً آپ کسی ایک ادنیٰ آدمی کو خدمت کیلئے بلائیں اور اس سے ازراہِ نوازش اسرار کی باتیں کریں تو وہ لامحالہ پنج ہزاری امراء کے مقام کو طے کر کے پیشی تک پہونچے گا اور پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھوٹا ہو جائے گا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا مرتبہ امرائے پنج ہزاری سے زیادہ ہو جائے۔ اس جواب کو سن کر بادشاہ کا عتاب دور ہو گیا، اس اثناء میں کسی ظالم نے جہانگیر سے کہہ دیا کہ دیکھئے آپ ظل اللہ ہیں مگر یہ شیخ آپ کو سجدہ تو کیا معمولی آداب بھی نہیں بجالائے۔ اس پر بادشاہ خفا ہو گیا اور قلعہ گوالیار میں حضرت کو قید کرنے کا حکم دیا۔

(۱) یہاں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے جس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا تھا کہ حضرت مجدد اپنے آپ کو صدیق اکبر سے بھی اونچا سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد نے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے متعلق لکھا تھا کہ...... (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وہ اعتراضات جوانہوں نے شیخ اکبر[1] کے کلامِ سراپا الہام پر کئے تھے آخری عمر میں اپنے ملفوظات کی تیسری جلد میں اس سے انہوں نے رجوع کرلیا ہے، جس طرح کہ بندہ نواز سید شاہ محمد گیسودراز نے رجوع کیا تھا۔ اگر کوئی تشنۂ تحقیق کتاب ''انفاس العارفین[2]'' کا مطالعہ کرے تو یقیناً اس کی تشنگی مٹ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ قولِ ثانی ہی معتبر ہوتا ہے نہ کہ قولِ اول۔ مذکورہ کتاب منازلِ تحقیق کے راہبر اور چھان بین کرنے والوں کے پیشوا عارف باللہ شاہ ولی اللہ[3] محدث دہلوی کی تصنیف ہے جو فروع واصول کے کاشفِ دقائق اور معقول ومنقول کے واقفِ حقائق، فیوضِ الٰہی کے مظہر اور موردِ کراماتِ نامتناہی، شاہ

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)...... ''مارا نص درکار است نہ کہ فص'' یا ''فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است'' (ہم کو نص چاہئے نہ کہ فص' یا فتوحات مدنیہ نے ہم کو فتوحات مکیہ سے مستغنی کردیا ہے) فص اشارہ ہے ابن عربی کی کتاب ''فصوص الحکم'' کی طرف اور ''فتوحات مکیہ'' بھی انہیں کی کتاب ہے۔ مگر بعد میں حضرت مجدد نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا، اور ابن عربی کی صرف ایک دو باتوں ہی سے اختلاف باقی رہ گیا تھا۔

(۱) شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ

(۲) انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مشہور کتابوں میں سے ایک ہے۔ جس میں ضمناً تصوف کے کئی مسائل آگئے ہیں۔ اور اس کتاب میں شاہ صاحب نے اس گتھی کو خوش اسلوبی سے سلجھادیا ہے جو وحدت الوجود (ابن عربیؒ) اور وحدت الشہود (مجدد الف ثانیؒ) کی بناء پر پیدا ہوگئی تھی۔

(۳)۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۱۱۱۴ھ (1703ء) میں یعنی اورنگ زیب کی وفات سے چار سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم بھی ایک جلیل القدر بزرگ تھے اور دہلی میں بڑا وسیع حلقۂ درس رکھتے تھے۔ ۱۱۳۱ھ (1719ء) میں وفات پائی۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیم وتربیت گھر ہی پر ہوئی اور زیادہ تر ان کی تربیت ان کے والد ہی نے کی، سترہ سال کی عمر میں وہ اپنے والد کی مسند درس پر بیٹھے۔ بعد ازاں آپ حرمین تشریف لے گئے، اور وہاں بھی بہت سے عالموں سے اکتساب فیض کیا۔ 1732ء میں ہندوستان واپس ہوئے، آپ جیسے جید عالم صفحۂ ہستی پر کم ہی پیدا ہوئے ہونگے۔ ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے آپ حضرت خواجہ رحمت اللہ کے ہم عصر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ایک بیش بہا علمی خزانہ یادگار چھوڑا، بلکہ اختلافی معاملات

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

عبدالعزیز محدث دہلوی کے والد و مرشد تھے جنہوں نے (شاہ عبدالعزیز نے) تحفۂ اثناعشریہ لکھی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا سلسلۂ طریقت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے طریقۂ علیہ نقشبندیہ کی تعلیم اپنے والد بزرگوار مخزنِ لطائفِ اُنسیہ، معدنِ معارف قدسیہ، حضرت شیخ عبدالرحیم محدث فاروقی دہلوی سے حاصل کی۔ ان بزرگوں کی قطبیت پر تمام اہلِ ہند متفق ہیں، اور ان کے کشف و کرامات کے بے شمار واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے شیخِ بزرگ خواجہ خردؒ[1] سے، اور انہوں نے شیخ الشیوخ جنابِ مجمعِ فیوضِ سبحانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ سے طریقت حاصل کی۔ دوسری طرف شیخ عبدالرحیم نے سید عبداللہؒ[2] سے، انہوں نے سید آدم[3] بنوری سے اور انہوں نے

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)......میں ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس پر صوفی، ملا، شیعہ، سنی، حنفی اور حنبلی، مجددی اور وحدت الوجودی، معتزلہ اور اشاعرہ، سبھی متفق ہوسکیں اور مندرجہ بالا سطور میں مصنف شاہ ولی اللہ کی اسی خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱) خواجہ خردؒ: اسم گرامی خواجہ محمد عبداللہ تھا مگر خواجہ خردؒ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ حضرت باقی باللہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے جنہوں نے ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کا آغاز کیا، خواجہ خردؒ ۱۰۱۰ھ (1601ء) میں پیدا ہوئے، آپ کو اپنے بڑے بھائی خواجہ کلاںؒ سے زیادہ حضرت مجدد الف ثانی سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ اس سلسلے کے اعمال و وظائف کی اجازت بھی انہیں حضرت مجددؒ سے ہی ملی تھی، حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد شاہ عبدالرحیم انہیں کی خدمت میں رہتے تھے۔

(۲) سید عبداللہ اکبرآبادی شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے والد شیخ عبدالرحیم اور چچا شیخ محمد رضا نے آپ سے بیعت کر کے فیض حاصل کیا۔ انفاس العارفین میں سید عبداللہؒ اور شیخ آدم بنوریؒ کے حالات شاہ ولی اللہ صاحب نے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

(۳) سید شیخ آدم بنوری حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مشہور خلفاء میں سے ہیں جن کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ سرہند سے بیس میل دور ایک بستی بنور کے رہنے والے تھے، پہلے آپ اُمی تھے لیکن حضرت مجدد کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد قرآن حفظ کیا اور دیگر علوم بھی حاصل کئے۔ آپ کی شخصیت بڑی پرتاثیر تھی، (اگلے صفحہ پر)

منبع علومِ روحانی حضرت مجدد الف ثانی سے طریقت حاصل کی۔

سب سے عجیب بات تو یہ ہیکہ یہ متعصب لوگ کہتے ہیں کہ ان خضر منش حضرات کو خواجہ خرد کے ذریعہ سلوک کے چشمے سے فیض حاصل ہوا[1]! کیونکہ طریقہ مجددیہ سے کوئی شخص منزلِ مقصود پر نہیں پہونچ سکتا۔

اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ ایسا ہی ہے تو بزرگانِ موصوف جو کہ اپنے وقت کے قطب تھے اپنے کشفِ باطنی سے اس کا پتہ چلانے سے کیوں قاصر رہے؟ حالانکہ انہوں نے ساری دنیا کو اس طریق کی ہدایت کی اور اسی طریق میں اپنی خلافت اور شجرے عطاء کئے۔

متعصب یہ بھی کہتے ہیں کہ مجددیوں میں سے کوئی بھی ولایت کے منصبِ بلند پر نہ پہونچ سکا، اگر کوئی پہونچا بھی تو ہمارے بتلائے ہوئے ذریعہ کی عنایت ہے۔

چراغِ شاہراہِ ہدایت، شمعِ محفلِ ولایت، نخبۂ آلِ رسولِ مقبول حضرت بتول، واقفِ اسرارِ معنوی وصوری قطب الاقطاب جناب سید آدم بنوری نور اللہ مضجعہٗ حضرت مجددؒ کے خلفاء میں سے ایک ہیں جن کے نورِ فیض اور روشنیٔ ولایت سے ایک گروہِ کثیر فیضیاب ہوا اور مشعلِ کشف وکرامات روشن کی۔ چنانچہ سینتیس (۳۷) حضرات کے نام

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ)......خانقاہ میں ایک ہزار سے زیادہ طلبائے معرفت جمع رہتے تھے جنہیں لنگر سے کھانا ملتا تھا۔ شاہجہاں آپ کے مریدوں کی کثرت سے گھبرا گیا اور اس نے حکم دیا کہ آپ حج کو چلے جائیں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں 1663ء میں وفات پائی۔

(۱) مقصد یہ ہے کہ ان بزرگوں کو خواجہ خردؒ کے ذریعہ فیض حاصل ہوا جو حضرت باقی باللہ کے صاحبزادے تھے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ باقویہ سے تھے، حضرت مجدد سے نہیں جن کے نام سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا آغاز ہوا۔ اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں کیونکہ خود حضرت مجدد، حضرت باقی باللہ کے خلیفہ اعظم تھے۔

توجہ فقیر کے حافظے میں محفوظ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے مرشد کے ارشاد کے بموجب خلق خدا کی ہدایت کیلئے مختلف مقامات کو روانہ ہوا۔ ثبوت کے طور پر ان میں سے مندرجہ ذیل حضرات کے نام تحریر کرتا ہوں:

شیخ قاسم سہارنپوری، شیخ حسین، شیخ عبدالسلام، شیخ عبدالجلیل اور شیخ مسلم سہارنپوری قدس اللہ اسرارہم، یہ تمام بزرگ انبالے کی طرف گئے۔ حافظ یار محمد سرہندی، حاجی شاہ محمد سرہندی، سید ابوالفتح، سید مسعود، عبدالحی، ابونصر شیخ عبدالباقی، شیخ محمد سنبوتری، اور شیخ احمد روح اللہ روحہم وقدس اللہ اسرارہم نے پورب (مشرقی اتر پردیش) کارخ کیا۔ شیخ برہان، شیخ فرید، شیخ محمد امین بدخشی، حاجی یار خان، شیخ تاتارخان، شیخ جمال، میر مقصود، حاجی میر منصور، شیخ عمر کابلی وغیرہم عطر اللہ ضرائحھم نے پشاور کی راہ لی۔ حاجی شیخ سعدی، شیخ سلیمان، شیخ برخوردار، شیخ حافظ شاہ، شیخ حاجی خلیل، شیخ یار محمد گلبھاری، شیخ میران مصطفیٰ، شیخ سعدی، شیخ یار محمد، شیخ حامد، شیخ عبدالخالق اور شیخ بایزید رضی اللہ عنہم نے نواحِ لاہور میں مسند ارشاد کو رونق بخشی۔

ان لوگوں کے علاوہ بھی شیخ قدس سرہٗ کے خلفاء اور خلفاء کے مریدوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنا کعبۂ مقصود (شیخ آدم کے طفیل میں) حاصل کیا، اور سعیٔ صفاومروائے ہدایت سے فیضیاب ہوئے۔ اس مختصر کتاب میں عدم گنجائش کے باعث ان تمام حضرات کا ذکر ممکن نہیں۔ کیونکہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی تعداد ۳ لاکھ تک پہونچتی ہے جن میں سے کم از کم (۷۰) ہزار صاحبِ توجہ بزرگ تھے۔ اگر کوئی نقشبندیوں کی باطنی توجہ سے انکار کرتے ہوئے اسے عملیات کی تاثیر پر محمول کرنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان بے ذوق لوگوں کی خرافات کی سب سے بڑی وجہ ان بزرگانِ دین کے حال وقال سے ناواقفیت ہے۔

معدودے چند اعمال مثلاً ختمِ خواجگان رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین، استخارۂ رویت بدر

فلکِ رسالت ﷺ اور عملِ بسم اللہ جس کی اجازت کا شرف حضرت سید آدم بنوری نے عالمِ مثال میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا تھا، اس کے علاوہ کشائشِ باطنی کے دوسرے عملیات جو مندرجۂ بالا اعمال میں شامل کردیے گئے ہیں اس خانوادے کے مقتداؤں کی تصنیفات میں مذکور ہیں نہ اس سلسلہ کے سالکوں کے ارشادات میں ان کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ جتنے اشغال ہیں وہ مخفی طور پر تعلیم کیے جاتے ہیں بمصداق السر بالکتمان (راز چھپانے ہی سے راز رہتا ہے)۔

دوسرے یہ کہ اگر ان بزرگوں کی بیخودی عمل عملیات کی تاثیر ہوتی ہے تو پھر یہ لوگ نشہ اتر جانے اور ہوش میں آجانے کے بعد بھی کیوں اپنی زندگی بھر مخمور ہی رہتے اور ہمیشہ آخری گھونٹ کی تمنا میں جام کی طرح ہونٹوں کو کھلا رکھتے!! اس کے برخلاف عمل سے بیخود ہونے والے افاقہ ہوتے ہی لذت ختم ہوکر بے لطفی محسوس کرنے لگتے ہیں، اور غم رسیدہ اور مرگی زدہ لوگوں کی طرح ناخنِ رنج وتعب سے اپنا سینہ نوچنے لگتے ہیں۔ اگر یہ لوگ میدانِ فضول گوئی میں آجائیں اور شیخی بگھارنے لگیں تو کچھ تعجب نہیں کہ اربابِ مجاہدہ کے تیر نگاہ سے ہلاک ہی ہوجائیں۔

اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ سید عبدالقادر اورنگ آبادی کے روضے کے قاضی[1] نے جن کا تخلص "مہربان" "فخری" ہے، کمالِ مہربانی سے "اصل الاصول" اور

---

(۱) میر عبدالقادر نام اور تخلص مہربان تھا۔ ۱۱۵۱ھ (1738ء) میں شہر اورنگ آباد میں انکی ولادت ہوئی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے عربی وفارسی پڑھی۔ ان کے والد سید محمد شریف، مولانا فخرالدین دہلوی سہروردی چشتی کے مرید وخلیفہ تھے۔ والد کی وفات کے بعد روضہ خلد آباد کے قاضی بنے، آخر میں شاہ فخرالدین اورنگ آبادی کی صحبت سے استفادہ کیا۔ نواب آصفجاہ ثانی کے وزیر رکن الدولہ کے مصاحب تھے۔ پہلے رنگین پھر ایثار اور آخر میں غلام علی آزاد بلگرامی کی صلاح پر مہربان تخلص اختیار کیا، نظم میں متعدد رسالے تصنیف کیے ہیں۔ کحل الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے......

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

''کحل الجواہر'' میں جو ان کی مشہور کتابیں ہیں باوجود دعویٰ فقیری وفخری کے بیٹھے بٹھائے مسندِ عدل و انصاف چھوڑ کر بغیر کسی حفظِ مراتب کے انتہائی تعصب کے ساتھ غوثِ صمدانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور دیگر نقشبندی اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کلامِ سراپا الہام پر اعتراضات شروع کر دیے اور اپنے کوڑہ کی طرح زبان کو بھی دراز کر دیا۔علی الخصوص غوث زمن پادشاہِ ملکِ دکن خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ پر بے ادبی کے ساتھ اوراق سیاہ کر دیے کہ ''سید محمد گیسودرازؒ نے اپنے گیسوؤں کی طرح زبان بھی دراز فرمائی''۔القصہ یہ خام طبع کج پندے، کھٹے انگور کی خاصیت رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو فخری اور نہ جانے کیا کیا سمجھ لیتے ہیں۔

ارباب مکاشفہ میں سے کسی نے بھی ان بزرگوں کی توہین کرنے کی جرأت نہیں کی ،اوران کے شیشۂ ادب واحترام کو طنز و تشنیع کے پتھروں سے چکنا چور نہیں کیا۔بیت:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند ۔۔۔ کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ)......دیوانِ غزل میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔غرض نظم ونثر میں کئی رسالے تصنیف کئے۔ ۱۱۹۹ھ (1785ء) میں مدراس گئے۔نواب والا جاہ رئیس آرکاٹ نے بہت قدر ومنزلت کی اور ایک خانقاہ میلاپور میں بنوادی جہاں وہ ۱۲۰۴ھ (1790ء) یعنی اپنی وفات تک رشد وہدایت میں مشغول رہے اور خانقاہ ہی میں مزار ہے، اب تک یہ سلسلہ وہاں جاری ہے۔اس سلسلہ کے مشائخ مدراس میں ''فخری'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

ابوسعید والا کوان سے اختلاف کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے مذکورہ بالا رسائل میں غالباً نقشبندیہ کے مشائخین پر اعتراض کئے تھے جن سے مصنف کا تعلق ہے۔مصنف سلسلہ نقشبندیہ سے اور مہربانؔ سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے اور دونوں سلسلے مدراس میں مقبول ہیں، ممکن ہے کوئی غلط فہمی اس کا باعث ہوئی ہو۔واللہ اعلم۔نمونۂ کلامِ مہربانؔ:

چرا بہ پیشِ تو اظہار مدعا نکنم ۔۔۔ تو بیدِ باغ نہ خاطرم پریشاں نیست
دل دادن از برائے نگاہے گناہِ ما ۔۔۔ دل بردن و نگاہ نکردن گناہِ کیست
می کند در دیدۂ من اشکِ آتش خام رقص ۔۔۔ لقمہ چوں بسیار گرم افتد کند در کام رقص

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ این سلسلہ اند　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ترجمہ: خواجگان نقشبندیہ کچھ عجب شان کے قافلہ سالار ہیں کہ پوشیدہ راستوں سے قافلوں کو حرم تک لے جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام شیرانِ خدا اسی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں، لومڑی کی کیا اوقات کہ اپنے مکروفریب سے اس زنجیر کو توڑ سکے)۔

اس بات کی وضاحت یہاں ضروری ہے کہ خواجگانِ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کے توجہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی روحانی قوت و ہمت کے ذریعہ مریدین و طالبین کو خودی کے بت خانہ سے کھینچ کھینچ کر باہر نکالتے ہیں، اور کون و مکان کے بنانے والے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کے میکدۂ وحدت میں پہونچا دیتے ہیں اور اس کے قرب کے نشہ سے سرشار کردیتے ہیں۔ پس مریدوں کی بیخودی اُسی قرب کا نتیجہ ہوتی ہے:

گدائے چوں بدولت می رسد گم می کند خود را

(جب کوئی گدا یا بھک منگا، دولت سرا میں پہونچا دیا جاتا ہے تو اپنے آپ کو گم کرڈالتا ہے اور اسے کچھ بجھائی نہیں دیتا)

اور خواجگانِ چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دستور یہ ہے کہ وہ ''یا بصیر'' کے تصور کو درجۂ تصدیق پر پہونچا کر جس شخص پر نگاہ کرتے ہیں وہ بیہوش ہوجاتا ہے۔ غرض یہ بھی اشغال ہی میں شامل ہے نہ کہ عمل عملیات میں۔

فصل (۳۹) سفرِ حجاز میں مقامی لوگوں کا حضرت خواجہؒ کے ساتھ سلوک

حضرت خواجہ رحمت اللہ سفرِ حجاز کے دوران جس بستی میں جاتے اور جس وادی میں قدم رکھتے وہاں کے لوگ آپ کے تشریف لانے کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے اور سچی عقیدت

رکھنے والے مریدوں کی طرح آپ کی خدمت گذاری میں سعیٔ بلیغ کرتے، حالانکہ کوئی آپ سے واقف نہ تھا، اور نہ ہی آپ نے کبھی کسی سے کچھ مانگا۔

فصل (۴۰) بدویوں نے خوش پوشی کے باوجود خواجہؒ سے تعرض نہیں کیا

اکثر آپ عرب کی وادیوں کی گلزمین میں برنگِ گل، نہایت عمدہ قیمتی لباس زیبِ تن کئے قیمتی اسباب اور نقد وجنس کے ساتھ اطمینان سے گشت کرتے رہے۔ مگر کسی (لٹیرے) بدو کی مجال نہ ہوئی کہ وہ آپ کو تکلیف پہونچاتا۔ اس کے برعکس سارے بدوی آپ کے خیر مقدم کو باعثِ خیر و برکت سمجھتے رہے۔

فصل (۴۱) کیمیاء گری کے حصول سے انکار

سوادِ عرب کی سیاحت کے دوران دیارِ مغرب کے اکثر کیمیاء گروں نے آپ کی ذاتی اور صفاتی خوبیوں کا بلند معیار دیکھ کر آپ کو کیمیاء سکھانے کی سعیٔ بلیغ کی، مگر آپ نے سیمابِ آتش دیدہ کی طرح ان کی خواہش کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ یہ فقیر عشقِ محبوبِ حقیقی جل جلالہٗ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت کے اکسیرِ اعظم کے سوا اور کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے کہ کیمیاء گر لوگ نسخۂ کیمیاء سکھانے کے معاملے میں بڑے بخیل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو نہیں سکھلاتا تو دوسروں کا کیا ذکر۔ غالباً یہ حق جل وعلا کی طرف سے حضرت خواجہؒ کی آزمائش رہی ہوگی۔ جس طرح شبِ معراج اللہ نے اپنے حبیب کی آزمائش کیلئے دونوں جہاں کو تجلیاتِ نور سے نہایت آراستہ و پیراستہ کردیا تھا، مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف مطلق التفات نہ کیا اور سیدھے لامکاں کی طرف روانہ ہوگئے، چنانچہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی" (نظر نہ بھٹکی اور نہ بہکی) میں اسی جانب اشارہ ہے۔

فصل (۴۲) مریدوں کو علمِ ظاہری کی تلقین

مریدوں کی تلقین کے دوران حقائق و معارف کے نایاب موتیوں کو جو کہ شریعت غرائے محمدی کے سمندر سے نکلتے تھے، مٹھیاں بھر بھر کر لٹاتے تھے۔ حالانکہ آپ علم ظاہری کے سمندر کے تیراک نہ تھے۔ قصہ یہ ہے کہ جہاں پر آفتاب عشق پرتو انداز ہو، وہاں این وآں کی شمع بھلا کیسے روشن ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ مثنوی معنوی میں ہے:

گرچہ تفسیرِ زباں روشن گر است   لیک عشقِ بے زباں روشن تر است

(ترجمہ۔ اگرچہ کہ زبان سے شرحِ حال کہنا حقیقت کو روشن کر دیتا ہے، لیکن بے زبان عشق زیادہ روشن تر بنا دیتا ہے)۔

فصل (۴۳) مسئلۂ وحدت الوجود اور جبر و اختیار میں حضرت کا درک

حضرت کو مسئلۂ وحدت الوجود، معیت، اندراج، تجدِ دِ امثال اور جبر و اختیار جیسے مسائل کے سمجھانے میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، چاہے زبان قال سے آپ ان کا تذکرہ کریں یا زبانِ حال سے۔ واضح رہے کہ فقیر کیلئے یہ لازم و واجب ہے کہ مذکورہ پانچ مسائل کی تحقیق حاصل کرے کیونکہ یہ مسائل گویا توحید کے ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہیں۔ خاص طور پر مسئلۂ وحدت الوجود کی تحقیق تو گویا فرضِ عین ہے، کیونکہ یہ مسئلہ دیگر مسائل کی بنیاد ہے، جس طرح دو معبود کا قائل ہونا شریعت میں شرک ہے، اسی طرح دو موجود کا قائل ہونا طریقت میں کفر ہوتا ہے۔

فصل (۴۴) حضرت خواجہ کا انکسار و تواضع

حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ کبھی بھی فرشِ قالین و سوزنی پر تکیہ لگائے ہرگز نہ بیٹھتے، اور نہ سامنے اگالدان رکھتے، اور نہ خادموں کو اپنے روبرو کھڑا کرتے تھے۔ بلکہ سب کو ستاروں کی طرح اپنی محفل میں بٹھاتے، اور خود عرش و کرسی کی طرح بلا فرش کے ایک

لکڑی کے تختہ پر تشریف رکھتے اور ہمیشہ نفسانی آسائشوں سے دامن بچاتے اور خواہشوں کا گلا گھونٹتے رہتے۔

فصل (۴۵) حضرت خواجہؒ کا اندازِ مساوات

کوئی شخص آپ کی دعوت کرتا اور اس میں دوسروں سے بڑھ کر آپ کی عزت اور خاطر مدارات کرتا تو آپ فوراً اس سے ناراض ہو جاتے اور سخت غصہ کرتے۔ اور اگر وہ نسیم صبح کی طرح سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا تو آپ کا چہرہ انتہائی بشاشت سے مثلِ گل کھِل جاتا۔ آپ کی جنت نظیر محفلوں میں ہر چھوٹا بڑا بلا کسی امتیاز کے آپ کے ابرِ کرم کی پھوار سے یکساں طور پر سرشار ہوتا۔ اور ہر شخص آپ کے دستر خوان پر آپ کی عنایتوں سے یکساں طور پر سرفراز ہوتا تھا۔

فصل (۴۶) حضرت خواجہؒ کا استغناء

آپ اوج استغناء کے ہما تھے (دنیا اور اس کی آسائشوں سے بالکل بے پرواہ تھے)۔ دنیوی نعمتوں کی تلاش کیلئے کبھی آپ نے دنیوی حکام کی طرف اپنے پروں کو زحمت پرواز نہ دی۔ رئیسِ کڑپہ عبدالحلیم خان مرحوم ہمیشہ سے آرزو رکھتے تھے کہ آپ کوئی جگہ پسند فرما کر قیام فرمائیں تا کہ وہ آپ کی شایانِ شان خدمت کا شرف حاصل کرسکیں، مگر آپ نے انکی درخواست رد کردی اور کبھی بھی اس تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔

فصل (۴۷) امراء کی صحبت سے پہلوتہی

آپ کے قیامِ کڑپہ کے زمانے میں مرحومین نواب عبدالمجید خان اور عبدالحمید خان اکثر اوقات حصولِ سعادت کی خاطر آپ کے قدم چومنے کیلئے دوڑتے آتے اور کامل اعتقاد رکھتے تھے، مگر حضرت نے انہیں آنے سے منع کردیا اور ان کی ملاقات سے سخت کراہت کرتے تھے۔

فصل (۴۸) نواب والا جاہ کا موضع سیکل کا پیشکش اور حضرت کا انکار

امیر الہند[1] والا جاہ طابَ ثَراہُ نے آپ کے ایک خلیفہ محمد صبغۃ اللہ عرف باوا صاحب کے ہمراہ ترچناپلی سے آپ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا کہ آپ موضع سیکل قبول فرمائیں، مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور ان کے خط کو فردِ باطل (ردی کاغذ) کی طرح گھر کے کونے میں ڈال دیا۔

فصل (۴۹) نواب عبدالسعید خان کی مرید ہونے کی خواہش

نواب عبدالسعید خان والیٔ گنجی کوٹہ نے بڑی آرزو سے لکھا کہ ایک عرصۂ دراز سے آپ کو دیکھنے کی تمنا دل میں پرورش پارہی ہے، اور چاہتا ہوں کہ ارادت مندی کے ساتھ آپ کا حلقہ بگوش ہو جاؤں۔ حضرت خواجہؒ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ اگر واقعی سچی عقیدت و محبت ہے تو میرے فلاں خلیفہ کے مرید ہو جاؤ جو میری ہدایت سے تمہارے علاقے میں عوام کی رشد و ہدایت پر مامور ہیں۔ ان سے رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسے فی الحقیقت مجھ سے بیعت کرنا۔

فصل (۵۰) نواب منور خان کی درخواست

نواب منور خان ناظمِ کرنول نے بڑی عقیدت سے تحریر کیا کہ اگر آپ آیتِ رحمت بن کر سوادِ کرنول میں نزولِ اجلال فرمائیں تو ہر طرح سے یہاں کے مسلمانوں کے دلوں کی کھیتی سیراب ہو جائیگی، نیز یہ عقیدت کیش بھی اپنی مراد کے پھل حاصل کر سکے گا۔ مگر آپنے اس خط کو ایک خزاں رسیدہ پتے کی طرح زمین پر ڈال دیا اور ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی۔

---

(۱) امیر الہند محمد علی والا جاہ ارکاٹ کے نواب تھے۔ یہ ناظمِ پایان گھاٹ ارکاٹ نواب سراج الدولہ محمد جانِ جہاں انور الدین خان بہادر شہامت جنگ کے تیسرے بیٹے تھے۔

زمین کی خریدی اوراس کا آباد کرنا

چند دنوں کے بعد قلعہ دارانِ اودگیر بدرالدین علی خان اور سید عبدالقادر خان مرحومین سے زراعت سے خارج کردہ بنجر زمین کے چند قطعات شرعی طور پر خرید کرانہیں آباد کیا اور ہر ایک کا الگ الگ نام رکھا۔اور جس طرح نور عارف کے دل میں رہتا ہے اسی طرح آپ نے رحمت آباد میں سکونت اختیار کر کے گمراہوں کے ایک جہان کو شاہراہِ ہدایت پر گامزن کردیا،اور شائقین کی ایک کثیر تعداد کو ان کی منزلِ مقصود تک پہونچادیا۔

فصل (۵۱) حضرت خواجہ رحمت اللہ کا وصال

نوے سال کی عمر میں حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے کان اور رخسار کے درمیان میں ایک دنبل نمودار ہوا جس کے اثر سے ایک مہینے تک آپ بیمار رہ کر شب جمعہ ۲۶ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ (1781ء) کو بوقتِ مغرب قلعۂ اودگیر میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ کر رحمتِ حق سے پیوست ہوگئے۔رحمۃ اللہ علیہ۔راتوں رات خدام نعش مبارک کو رحمت آباد لے آئے۔ دوسرے دن یعنی جمعہ کو وہاں کی مسجد کے صحن میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

حضرت کے منہ بولے بیٹے کا بی بی صاحبہ کے حکم سے گنبد کی تعمیر کرنا

مصدرِ اوصافِ نیک مرزا شجاعت بیگ نے جو آپ کے منہ بولے بیٹے تھے اور آپ کے ہاں مدارالمہامی اور انتظامات میں امتیاز رکھتے تھے "بی بی صاحبہ قبلہ" کے حکم سے آپ کی قبر پر ایک خوبصورت گنبد تعمیر کروادیا، جو آج زیارت گاہِ خلائق اور آماجگاہِ انوارِ خالق ہے۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے:

اگر نافِ زمین شد کعبۃ اللہ   جبینش قبرِ خواجہ رحمت اللہ

(ترجمہ: اگر کعبۃ اللہ ساری زمین کی ناف یعنی بیچوں بیچ ہے تو زمین کی پیشانی خواجہ رحمت اللہ کی قبرِ مبارک ہے)

سبحان اللہ اگر روضۂ مبارک کو "حبابِ بحرِ رحمت" کہوں تو بجا ہے، کہ اس کے گرد طواف کی برکات کی ایک پھوار سینکڑوں گناہوں کی گرد دھو ڈالتی ہے۔ اور اس کو اگر عاشق کے آنسو کے ایک قطرے سے تشبیہ دوں تو سزاوار ہے کیونکہ اس کی زیارت کی نمی افسردہ دلوں میں عشق کا پودا اُگا دیتی ہے۔ مزارِ شریف کی خاکِ پاک سے جو کہ طہارتِ مجسم ہے تیمّم کرنا ملت اہل طریقت کے ہاں باوجود پانی کے ہوتے فرضِ عین ہے، بلکہ یہ روضۂ پاک مرغانِ اُولِی اجنحہ (یعنی ملائکہ) کا چمن ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔

قرآن سے تاریخِ وفات

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے ایک مرید مقتدائے اہل اللہ مولوی شاہ ولی اللہ نے عربی میں نہایت پر سوز و گداز تاریخ نظم کی ہے:

رحمة الله سيد العرفا	بوفاته قلوبنا وجعت
بفراقه دموعنا بدم	مزجت ومقلتي قد دمعت
ما عرفناه حق معرفة	كأن شمسا على الورىٰ طلعت
في الكلام القديم تاريخاً	ربنا قال "رحمتي وسعت"[1]

۱۱۹۴ھ

(ترجمہ سید العرفا رحمت اللہ قدس سرہ کی وفات سے ہمارے دل دُکھ گئے۔ اور انکی جدائی میں ہماری آنکھیں خون کے آنسو بہانے لگیں اور پلکیں پتلیوں تک خون خون ہوگئیں۔ اور ہم نے انہیں نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق تھا، وہ ایک سورج تھے جو لوگوں پر طلوع ہوا تھا۔ قرآن مجید کی رو سے "رحمتی وسعت" سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے)۔

---

(۱)۔ دراصل خواجہ رحمۃ اللہ کا انتقال ۱۱۹۵ھ میں ہوا لیکن تاریخ وفات کے عدد جمع کرنے سے ۱۱۹۴ھ حاصل ہوتا ہے۔ از روئے قانون تاریخ گوئی ایک عدد کی کمی بیشی جائز ہے۔ چنانچہ "بحرِ رحمت" کی تاریخ تصنیف جو خود مصنف نے شروع میں پیش کی ہے اس سے ۱۲۴۰ھ کا سنہ حاصل ہوتا ہے، جبکہ ان کے شاگرد مولوی مرتضٰی علی خان بہادر کی فارسی و عربی دونوں تاریخوں سے ۱۲۴۱ھ برآمد ہوتا ہے۔

موجِ سوم (تیسرا باب)

حضرت خواجہؒ کے خرقِ عادات وکشف وکرامات

فصل (۱) حضرت محمد شفیع کوکنی کی بیعت کا واقعہ

محمد شفیع نامی ایک زاہد وعابد شخص کوکن کے نواح میں رہتے تھے۔ دنیوی خواہشات اور حرص وہوا سے انہوں نے منہ موڑ لیا تھا۔ بارہ سال کے عرصے تک وہ انسانی آبادی سے دور سمندر کے کنارے جان توڑ ریاضتوں میں مصروف رہے تھے۔ ان کے تقدس اور عبادت گذاری کی شہرت ملاءِ اَعلیٰ تک پہنچ چکی تھی۔ اور قدسیوں کو ان کی ریاضت وعبادت پر رشک آتا تھا۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ حکمِ الٰہی کے بموجب خواجہ خضر کی طرح ان کے ٹھکانے پر پہنچے۔ دیکھا کہ حجرے کا دروازہ بند ہے۔ پھر دوسرے روز دوبارہ تشریف لے گئے تب بھی یہی دیکھا۔ مجبور ہوکر حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے بیٹھ کر ان کی طرف قلبی توجہ کی جس کے نتیجہ میں وہ باہر تشریف لائے۔ خواجہ کا روئے مبارک دیکھتے ہی بے اختیار قدم بوس ہوگئے۔ حضرت نے انہیں طریقت میں داخل فرمایا۔ مراحلِ سلوک کی تکمیل کے بعد انہیں خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور جب واپس ہونے لگے تو انہیں نکاح کرنے کی تلقین کی اور رُشد وہدایت کرنے کی تاکید فرمائی۔ موصوف نے مسندِ ارشاد پر متمکن ہوکر ایک عالَم کو فیض پہنچایا اور ایک دنیا ان کی توجہ سے ہدایت یاب ہوئی۔ کہتے ہیں کہ موصوف سے بہت سی کرامات کا صدور ہوا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت خواجہ کے کہنے پر انہوں نے شادی بھی کی۔

فصل (۲) حضرت خواجہ کی دعاء سے کرنول کے قحط کا ازالہ

درحقیقت یوں تو آنحضرت سرورِ عالم ﷺ نے خواجہ رحمت اللہ کو حصولِ سعادت وزیارتِ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً کا عالمِ مثال میں حکم دیا تھا، لیکن عالمِ شہادت میں اس کا سب سے بڑا سبب یہ بنا کہ کرنول کے علاقہ میں ایک بہت بڑا قحط پڑا، وہاں کے ناظم نواب الف خان پسر ابراہیم خان نے مشائخین وفقرائے وقت سے نزولِ باراں کی دعاء کیلئے التجا کی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ نواب بے حد فکرمند اور ماہیٔ بے آب کی

طرح مضطر تھا کہ ایک روز اچانک ایک مجذوب نے اس سے بجلی کی طرح کڑک کر کہا کہ ''اُٹھ اور سید رحمت اللہ کے پاس جا، ان کی ایک ہی توجہ سے تیری مراد بر آئے گی''۔
نواب مرحوم نے اپنے خادموں سے دریافت کیا کہ یہ سید رحمت اللہ کون شخص ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ خادمین نے کہا کہ یہ ملازمِ سرکار ہیں اور فلاں رسالے سے منسلک ہیں۔
نواب تیزی سے اُٹھا اور ہاتھی پر سوار ہو کر ابر کی طرح اس بحرِ رحمت کی طرف روانہ ہوا۔
حضرت خواجہ رحمت اللہ نے اس کے آنے سے پہلے ہی فلک اطلس کی ہمرنگ ایک نیلی پال (جھول) جو گھوڑوں پر ڈالی جاتی ہے بطور فرش بچھائی اور اس پر ایک خوگیر (توبڑا) کو بطور تکیہ بھی رکھ دیا۔ لوگوں نے آپ کے اس عمل کو خلاف معمول دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا تو حضرت نے جواب دیا کہ ایک امیر آ رہا ہے اس کے استقبال کیلئے اتنا تکلف کر رہا ہوں۔
اتنے میں نقارے کی آواز گونجنے لگی۔ آپ دیگر حاضرین کے ساتھ باہر نکلے تو دیکھا کہ نواب صاحب پہونچ چکے ہیں۔ زمانہ کے رسم ورواج کے مطابق پھلوں سے لدی شاخ کی طرح نواب کے سلام کو جھکے۔ جیسے ہی نواب کی نظر آپ پر پڑی، جس طرح ابر سے قطرہ ٹپک پڑتا ہے نواب اپنے ہاتھی سے کود کر خواجہ صاحب کے قدموں کو چومنے دوڑا۔ حضرت، نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنی فرودگاہ تک لے گئے اور انہیں مذکورہ پرتکلف فرش پر بٹھادیا۔ نواب نے اپنی حاجت بیان کی، حضرت نے فرمایا کہ کارسازِ کریم بے ہمتا اور مسبب الاسباب کی عمومی رحمت سے بعید نہیں کہ عنقریب ابر رحمت جوش میں آ کر اپنے بندوں کے دلوں کی کھیتیاں سیراب کر دے۔ نواب صاحب نے پوچھا کہ بارش کب تک آنے کی امید ہے۔ یہ سنتے ہی آپ غصہ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ میں حق جل وعلا کے ارادہ سے واقف نہیں ہوں کہ وہ کب بارش برسائے گا۔ نواب نے خاموش ہو کر رخصت ہونے کی اجازت لی۔ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ آسمان پر ابر نمودار ہوا اور اتنا برسا کہ نواب کو گھر تک پہونچنے کیلئے گھٹنوں گھٹنوں پانی سے گذرنا پڑا۔ اُسی دن سے حضرت خواجہ نے ملازمت ترک کر دی اور ڈیڑھ سو روپے کی رقم جو نواب پر تنخواہ کی بابت باقی تھی لے کر اپنے دونوں گھوڑے بیچ ڈالے اور پوری رقم راہِ خدا میں خیرات کر کے متوکلاً علی اللہ حج کیلئے بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

فصل (۳) حضرت سید ضیاء الدین امامی کا ایک واقعہ

فقیر کے تایا سید ضیاء الدین امامی علیہ الرحمہ اپنی ایک قلبی پریشانی سے نو سال کے عرصے سے بے حد مضطرب تھے مگر کبھی حضرت خواجہ سے اس کا ذکر کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ ایک روز بے اختیار ہو کر گھر سے نکلے اور آپ کی خدمت میں آئے اور اپنے قلق واضطرار کا حال بیان کیا، حضرت تمام حاضرین کو رخصت[1] کر کے انہیں اپنی خلوت سرا میں لے گئے، اور انہی کے ہاتھ سے دروازہ بند کروادیا۔ دروازہ بند ہو گیا تو انہیں اپنے روبرو بٹھا کر آنکھیں بند کر کے مراقبہ کا حکم دیا۔ فقیر کے تایا نے حضرت کی اجازت کے بغیر اپنی آنکھیں کھول دیں تو حضرت کو وہاں نہ پایا۔ مارے ہیبت کے کانپ کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو گوہر مقصود کو اپنے ہاتھ میں دیکھا۔

فصل (۴) مولوی محمد نعیم شاہنوری کے مرید ہونے کا واقعہ

معدنِ معارفِ لم یزلی شیخ محمد علی نے اپنی تصنیف میں ذکر کیا ہے کہ مولوی محمد نعیم شاہنوری جن کی عبادت وریاضت وتقدس کا بڑا شہرہ تھا بیان کرتے ہیں کہ: میں نے قصبۂ شاہنور سے بڑی عقیدت واشتیاق کے ساتھ جس طرح کہ بلبل چمن کی طرف جاتا ہے حضور کی خدمت میں پہونچ کر بیعت چاہی لیکن حضرت نے کبھی میری طرف نگاہِ التفات نہیں کی۔ اس طرح ایک مدتِ دراز گذر گئی اور میں ناامید ہو گیا۔ آخر ایک دن دل میں سوچا کہ میں خواہ مخواہ یہاں بیکار پڑا ہوں، پیری ومریدی کی بہار میں بھی خزاں رسیدہ ہوں، اور بلانتیجہ یہاں پڑا خوار ہو رہا ہوں۔ یہ خیال آنے کے بعد جب حسب معمول حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہی خیالات ذہن میں تھے، انہوں نے میری جانب ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ خود تمہارے گھر میں پیری مریدی موجود ہے اس کی قدر نہ کر کے کس لئے اپنے آپ کو اتنی زحمت دے رہے ہو!! یہ سنتے ہی میرا رنگ اڑ گیا اور میں بے ساختہ

---

(۱) یہاں حضرت مصنف کے الفاظ ہیں ''حاضراں را برگ رخصت کرامت کردہ'' جس کے لفظی معنی ہوتے ہیں ''حاضرین کو رخصت کا پتہ (یعنی پان) عنایت کر کے'' یہ محاورہ ایک رواج کی نشان دہی کرتا ہے کہ مہمان کو پان دینا گویا رخصت کی اجازت ہے۔ واللہ اعلم (قدیری)۔

موسمِ خزاں کے سوکھے پتہ کی طرح ان کے پیروں پر گر پڑا۔ اور بے اختیار بیعت کیلئے ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضرت نے انتہائی شفقت سے مجھے طریقت میں داخل کیا اور سلوک کی ہدایات سے سرفراز فرمایا۔

فصل (۵) قاضی مصطفیٰ علی خان کی درخواست دعاء

واقفِ اسرارِ ملک الودود مولوی ارتضاء علی خان خوشنود[1] فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد قاضی القضاۃ غلام مجتبیٰ المخاطب بہ مصطفیٰ علی خان مختار جنگ بہادر خوشدل[2] سے

(۱) افضل العلماء مولوی ارتضاء علی خان بہادر، مولوی مصطفیٰ علی خان بہادر خوشدل کے بیٹے تھے، آپ کا تخلص خوشنود تھا، ۱۱۹۸ھ (1784ء) میں قصبۂ گوپامئو میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور دوسروں سے درس کی تکمیل کے بعد پندرہ سال کی عمر میں لکھنو گئے۔ اور اپنے والد کے بعد انہوں نے بھی ہندوستان کے نامور عالم معقول و منقول مولانا حیدر علی سندیلوی سے سندیلہ جاکر علم کی تحصیل کی۔ سات سال بلگرام میں رہے، یہاں مولوی محمد ابراہیم ملیباری کی شاگردی کی۔ سید شاہ غلام نصیر الدین سعدی بلگرامی سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ ۱۲۲۰ھ (1805ء) میں مدراس میں اپنے ہی والد کے منصب پر فائز ہوئے۔ اور تدریس و تالیف میں مشغول ہوئے۔ ۱۲۳۰ھ (1815ء) میں نواب صاحب مرحوم کے ہاں افتاءِ محکمۂ عالیہ میں ملازم ہوئے۔ ۱۲۳۵ھ (1820ء) میں کسی سبب سے نوکری وغیرہ سب چھوڑ دی اور کچھ دن توکل پر گذارے۔ آخر ۱۲۴۴ھ (1828ء) میں حکومت مدراس کے قاضی القضاۃ ہوگئے۔ ۱۲۶۸ھ (1852ء) میں حج کیلئے گئے۔ گلزارِ اعظم کے مؤلف بھی آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات بہت ہیں سنہ ۱۲۷۰ھ (1854ء) میں حج سے فارغ ہوکر مدراس لوٹ رہے تھے کہ جہاز میں انتقال فرمایا، اور سمندر میں انکا تابوت اتار دیا گیا۔ نمونہ کلام:

دانۂ تسبیح مگرداں زاہد   انما اللہ الٰہ واحد
خواہی کہ نمازِ عشق خوانی   از خون دو دیدہ با وضو باش
آدم آئینۂ جمال تو بُود   عالم ہمہ مظہر کمال تو بُود
آنکس کہ نکرد نفس خود را ادراک   کے محرم محفلِ وصالِ تو بُود

(۲) مصطفیٰ علی خان بہادر خوشدل: نام احمد مجتبیٰ مگر والد کے نام غلام مجتبیٰ سے مشہور ہیں سنہ ۱۱۷۳ھ (1760ء) میں گوپامئو میں جو لکھنو کے قریب ہے پیدا ہوئے۔ مولوی رحیم الدین گوپاموی سے علوم کی تکمیل کی اور مولوی غلام طیب بہاری و مولانا حیدر علی سندیلوی سے بھی تعلیم حاصل کی، سید شاہ غلام پیر بن سید شاہ یٰسین بلگرامی سے بیعت کر کے چار خانوادوں کا خرقۂ خلافت حاصل کیا، تلاش معاش میں سنہ ۱۲۰۰ھ (1786ء) میں مدراس آکر نواب والا جاہ کے ہاں ملازم ہوگئے۔ کئی مرتبہ وطن گئے اور مدراس آئے ۱۲۱۶ھ (1801ء) میں ترچناپلی کے قاضی ہوگئے، اس کے بعد جب قاضی القضاۃ کی مسند خالی ہوئی تو قاضی القضاۃ کا عہدہ پایا، سنہ ۱۲۳۴ھ (1819ء) میں انتقال ہوا۔ تمیال پیٹ کی مسجد کے صحن میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ فارسی شاعری میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، خوشدل تخلص کرتے تھے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ نواب امیر الہند والا جاہ نے میرے والد کو جواُن کے رشتہ دار تھے اپنی مراد برلانے کیلیئے دعاء کروانے کی خاطر حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔ اس کے علاوہ افضل الدین محمد خان نے جوان کے رشتہ کے برادر اور خواجہ علیہ الرحمہ کے مرید تھے، اس طرح پیام تحریر کیا کہ سرکار کے طفیل سے اگرچیکہ بہت سے کام بن جاتے ہیں لیکن برکت بالکل نہیں ہورہی ہے۔ امید ہے کہ آپ جوابِ باصواب سے نوازیں گے۔ جب مصطفیٰ علی خان رحمتُ آباد پہونچے اور خواجہؒ کے حضور میں حاضر ہوئے تو اس وقت حضرت خواجہ اولوالابصار کی آنکھوں کی پتلی کی طرح (اہل اللہ کی جماعت کے درمیان) رُواقِ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ مصطفیٰ خاں کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی قبل اس کے کہ وہ کچھ عرض کرتے آپ نے یہ شعر پڑھا:

از دست گدائے بے نوا ناید ہیچ　　جز آں کہ بصدقِ دل دعائے بکند

(ترجمہ: گدائے بےنوا کے ہاتھوں کچھ ہوتو نہیں سکتا، سوائے اسکے کہ صدقِ دل سے دعاء کرے)

اور اُن کے حق میں فرمایا کہ ہر چند میں دعاء کرنے میں سعی بلیغ کرتا ہوں لیکن اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ تمہاری والدہ کی آہ کی بادِ صرصر تمہارے حق میں خزاں بن جاتی ہے، اور میری دعاء کی قبولیت کے درخت کو بالکل سکھا دیتی ہے: بیت

۱۔ بندگانِ خاصِ علام الغیوب　　در جانِ جہاں جواسیس القلوب
۲۔ در درونِ دل درآید چوں خیال　　پیشِ او مکشوف باشد سِرِّ حال
۳۔ در تنِ کنجشک چہ بوَد برگ و ساز　　کے شود پوشیدہ آں بر عقلِ باز

(گذشتہ صفحہ کا حاشیہ) اشعار کا نمونہ:

صبا خاک مرا آوارہ از کویش مکن جائے　　بخاک آمیختم خود را وجانے کردہ ام پیدا
پردۂ عالم دریدی تا نمودی جلوۂ　　حیرتی دارم ہنوز از شرم مستوری چرا
ہر بُت کنارہ می طلبد از کنارِ من　　بدنام در بتاں زِ مسلمانیٔ خودم

نوٹ: ۱۲۰۰ھ میں والا جاہ کی ملازمت اختیار کی۔ یہ غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ خواجہ رحمت اللہ کا انتقال ۱۱۹۵ھ (1781ء) میں ہوا۔ لہذا والا جاہ نے انہیں خواجہ صاحب کی خدمت میں بھیجا تو کیسے بھیجا؟ یہ سنہ گلزارِ اعظم کے مؤلف نے دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ خوشدل ۱۱۹۳ھ (1779ء) یا ۱۱۹۴ھ (1780ء) میں والا جاہ کے ہاں ملازم ہوئے ہونگے۔

۴۔ آنکہ واقف گشت بر اسرار "ھو" سرِ مخلوقات چہ بود پیش او

۵۔ وآنکہ بر افلاک رفتارش بود بر زمین رفتن چہ دشوارش بود

(ترجمہ: ا: غیب کا حال جاننے والے کے خاص بندے، اس دنیا میں دلوں کے جاسوس ہوا کرتے ہیں۔ ۲: کسی کے دل کے اندر جب کچھ خیال پیدا ہوتا ہے، تو اللہ کے خاص بندوں پر اس کی تفصیل مکشوف ہو جاتی ہے۔ ۳: چڑیا کے جسم پر کتنے پر اور کتنا گوشت ہوتا ہے، باز سے اس کا اندازہ کس طرح پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ ۴: جو شخص "ھو" کے اسرار ورموز سے واقف ہو گیا ہو، مخلوقات کے بھید اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ۵: اور جس کی پرواز آسمانوں کے ملکوت میں ہوا کرتی ہے، زمین کے کسی حصہ میں پہونچنا اس کے لئے کیا دشوار ہے)۔

فصل (۶) حضرت خواجہؒ کے آمد وخرچ کا حال

منشیوں نے حضرت خواجہؒ کے اخراجات کا جب بھی سالانہ حساب کیا تو انہوں نے آمدنی سے کئی گنا زیادہ خرچ پایا۔

فصل (۷) حضرت کی توجہ سے کھانے میں برکت

فقیر نے بہت سے ثقہ آدمیوں سے سنا ہے اور قدوۃ السالکین مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہٗ سے بھی روایت ہے کہ بارہا دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ لوگوں کی معمول کے مطابق تعداد میں کھانا تقسیم ہو جانے کے بعد اگر مشائخ وفقراء کثیر تعداد میں آجاتے تو جلدی سے دیگ پر سرپوش رکھ دیتے۔ ان لوگوں کی احوال پرسی کے بعد حضرت خود اپنے دستِ مبارک سے کھانا نکال نکال کر ہر ایک کو تقسیم فرماتے یہاں تک کہ سب لوگ سیر ہو جاتے مگر دیگ میں کھانا جوں کا توں رہتا۔

فصل (۸) سفرِ حج کا ایک نادر واقعہ

حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے ایک خادم کا نام کبیر محمد تھا۔ وہ ایک واقعہ ایسا بیان

کرتے تھے کہ لوگ حیرت زدہ رہ جاتے۔ کہا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ صحرائے عرب میں جہاں آبادی کا دور دور تک نام ونشان نظر نہیں آتا اکثر بغیر کسی سواری اور توشہ (آب و طعام) کے تین تین دن تک صبا رفتاری سے سیاحت فرماتے اور میں گردِ کاروان کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے دوڑا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ضعف نے مجھے بالکل تھکا دیا اور بھوک پیاس نے میرے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا تو میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح ایک درخت کے نیچے گر پڑا اور حضرت سے درخواست کی کہ حضرت میری طاقت جواب دے چکی ہے اور اب مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ آپ نے فرمایا ''صبر سے کام لو کیونکہ خلاقِ کارساز عم نوالہٗ رزاق علی الاطلاق ہے''۔ اس دوران مجھے نیند نے آلیا۔ حضرت نے جب عشاء کی نماز کیلئے بیدار کیا تو آنکھ کھولتے ہی میں نے اپنے آپ کو ایک مسجد میں پایا جہاں مسلمان نماز کیلئے صفیں درست کررہے تھے، میں نے جلدی سے وضو کیا اور حضرت کے ساتھ نماز میں شریک ہوگیا۔ نماز سے فراغت کے بعد ایک شخص نہایت نفیس ولذیذ کھانوں کا ایک خوان لے آیا۔ حضرت نے اور میں نے دیگر اجنبیوں کے ساتھ خوب سیر ہوکر کھایا۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو بچے ہوئے کھانے کو کل کیلئے رکھ لو۔ میں پھر اسی طرح سو گیا۔ جب صبح کو اُٹھا تو خود کو اسی صحرائے لق ودق میں اسی درخت کے نیچے پایا جہاں سویا تھا، یہ دیکھ کر میں سراپا نقشِ دیوار ہوگیا (سخت حیرت زدہ رہ گیا) حضرت نے میری طرف دیکھ کر سخت تاکید کی کہ خبردار یہ راز کسی کے آگے ظاہر نہ کرنا۔ غرض اُس خادم نے مرتے دم تک اس راز کو سینے میں چھپائے رکھا اور اپنے آخری وقت کرنول کے مضافاتی علاقے نندیال میں یہ راز حاضرین پر ظاہر کیا۔

فصل (۹) ناصر جنگ کی شہادت پر خوش ہونے والوں سے اظہارِ ناراضگی

والیٔ کرنول نواب بہادر خان[1] نے نواب ناصر جنگ شہید کی شہادت کی خوشخبری کے طور پر حضرت کو ایک خط لکھا۔ حضرت نے خط دیکھتے ہی جو دراصل اس کا نامۂ اعمال تھا،

---

(۱) والیٔ کرنول نے جنہیں ناصر جنگ سے عداوت تھی، ان کی شہادت کے بعد حضرت کو نہایت مسرت کے ساتھ اس واقعہ کی اطلاع دی تھی جو حضرت کو سخت ناگوار گذری۔

غضبناک ہو کر اس کی پشت پر اس طرح کی عبارت لکھ کر واپس کر دیا کہ تیرے ناپاک اور ذلیل نفس نے تیری عزت و ناموس کے شیشہ کو چور چور کر دیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ دو ماہ کے عرصہ میں اس بدعملی کی پاداش میں تیرا سر بھی انگور کی شاخ کی طرح قلم کر دیا جائے گا۔

فصل (۱۰) ڈوبتے جہاز کا بچا لینا

ایک مرتبہ خلافِ عادت یک بیک بیٹھے بیٹھے آپ نے ایک بڑی چیخ ماری، اور اپنی جگہ سے اس طرح اچھلے کہ جبۂ مبارک کی آستین دست مبارک پر سے پھٹ گئی۔ محمد حسین مکی جو آپ کے منشی تھے، اور اس وقت حاضر تھے انہوں نے مضطرب ہو کر بے اختیار آپ سے حقیقت حال دریافت کی۔ حضرت خواجہ نے سورج کی طرح گرمیٔ جلال سے ان کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ فقراء کی حالت ہمیشہ یکساں نہیں رہتی۔ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ بے سوچے سمجھے فوری طور پر ان کے حالات کی تفتیش نہیں کرنی چاہئے۔ منشی صاحب آپ کی حرارتِ غضب سے اولوں کی طرح پگھل گئے، آٹھویں روز آپ کے قدموں پر گر کر معافی چاہی۔ آپ تو ابرِ رحمت تھے، آبِ ترحم سے ان کی اس فروگذاشت کو دھو ڈالا، اور یوں فرمایا کہ ''ایک تاجر کا جہاز زبردست بھنور میں پھنس گیا تھا، قریب تھا کہ ڈوب ہی جائے، اس کے مالک نے بے اختیار ہماری دہائی دے کر ہم سے مدد طلب کی، جیسے ہی ہمیں معلوم ہوا اسے صحیح و سلامت ساحل تک پہونچا دیا''۔ حضرت کے ارشاد کے بعد ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ تاجرِ مذکور تحفے تحائف لے کر ایک ریلے کی طرح رحمت آباد پہونچا، آپ کی خدمت میں حاضری دی، اور خود پر جو کچھ حالات گذرے تھے انہیں بے کم وکاست کہہ سنا دیا، بعینہٖ اُس طرح جس طرح حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔

فصل (۱۱) جمعہ کے دن حضرت خواجہؒ کا معمول

جمعہ کے دن آپکا معمول یہ تھا کہ غسل کے بعد سفید خرقہ زیب تن کرتے، خوب اچھی طرح عطر ملتے، ڈاڑھی میں کنگھی کرتے، آنکھوں میں سرمہ کا خط کھینچتے، پھر حجرے میں داخل ہوکر اس کا دروازہ بند کر لیتے تھے۔ اور پلک جھپکتے میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کیلئے مکہ معظمہ پہونچ جاتے۔ وہاں نماز سے فارغ ہوکر پھر حجرے میں واپس آجاتے اور دروازہ کھول کر یہاں کی نماز میں شامل ہوجاتے۔ حضرت کی تاخیر کا سبب یہی تھا جو نیازمند نے تحریر کیا۔

فصل (۱۲)......خواجہ احمد کیمیاء گر کے نسخہ کا حشر

مہوسِ کارخانۂ صد خواجہ احمد نے جو کچی چاندی کی طرح تھے، دنیا بھر میں گھومتے پھرتے بہت سی چکریں لگا لگا کر ان کی قلب ماہیت ہوگئی، اور آخرکار حضرت خواجہ قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کرکے خود زرِ خالص بن گئے۔ ایک دن وہ مجرب نسخۂ کیمیاء جو بار با کسوٹی پر کھرا ثابت ہوچکا تھا، انہوں نے انتہائی عجز وخاکساری سے حضرت کی نذر کیا۔ حضرت نے دستِ مبارک میں لے کر ان سے تین مرتبہ پوچھا کہ مجھے یہ چیز خلوص اور تہِ دل سے عطا کی ہے؟ عرض کیا کہ جی ہاں پورے خلوص سے دی۔ اس کے چند دن بعد خواجہ احمد نے اپنی ضروریات کی تکمیل کی خاطر جب اس آزمودہ نسخے سے سونا بنانا چاہا تو ہزار کوششوں کے باوجود نہ بن سکا۔

فصل (۱۳) مہمانوں کا کھانا پکنے میں دیری پر حضرت کی ناراضگی

کدبانوئے بیت الشرف عصمت، مریمِ عیسیٰ زائے عفت، ہاجرا طوار، آسیہ کردار، یعنی آپ کی زوجۂ مطہرہ جن کا نام ''حبیبہ خاتون'' تھا مگر عرف عام میں ''بی بی صاحبہ قبلہ''

مشہور تھیں۔ حکایت کرتی ہیں کہ جب تک گھر آئے مہمان نہ کھانا کھا لیتے تھے خواجہ رحمت اللہ کھانے کو ہاتھ نہ لگاتے۔ ایک دن مسافروں کو کھانا تقسیم کرنے میں تھوڑی دیر ہوگئی، ظاہر ہے عارف کے دل کو ہر بات فوراً معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ فوراً محل میں تشریف لائے اور مجھ سے تاخیر کا سبب پوچھا؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی تک روٹیاں تیار نہیں ہوئیں! یہ سن کر آپ بہت برافروختہ ہوئے، جلدی سے ایک بڑا چمچہ جوش کھاتے ہوئے گرم شوربے کا دیگ میں سے نکال کر میرے ہاتھوں پر ڈال کر حکم دیا کہ خبردار جب تک میرے مسافر کھانا نہ کھالیں مجھ پر کھانا حرام ہے۔ اُس وقت میں ڈر گئی اور سمجھ گئی کہ آج میرے دونوں ہاتھ بالکل جل چکے۔ لیکن حضرت کے تصرف سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، بلکہ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے محض ٹھنڈا پانی میرے ہاتھوں پر ڈالا ہو۔

فصل (۱۴) چڑھتی ہوئی ندی کو سوکھے سا کھے پار کر لینا

جب حضرت پایانگھاٹ کے سفر سے واپس ہو رہے تھے اس وقت دریائے ترچنا پلی میں طوفانِ نوح کی طرح باڑھ آئی ہوئی تھی، مسافر کنارے پر ٹھہرے ہوئے تھے، کشتیوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس علاقے کا حاکم ندی کے کنارے پابہ گل بالکل حیران و پریشان اس طرح ٹھہرا ہوا تھا جس طرح ندی کے کنارے سرو کا سیدھا درخت کھڑا رہتا ہے۔ حضرت خواجہ رحمت اللہؒ مغربی سمت چند قدم چلے اور بغیر پاؤں تر کئے ہوئے پیدل آپ نے ندی پار کر لی۔ یہ حال دیکھ کر ایک ہندو نے جو دریا کے کنارے کھڑا ہوا تھا، یہ سمجھا کہ دریا اس جگہ سے پایاب ہے جلدی سے عبور کر لونگا، آگے بڑھتے ہی غوطے کھانے لگا اور بڑی مشقت و مشکل سے جان بچا کر نکل سکا۔

فصل (۱۵) حضرت خواجہؒ کے جسدِ اطہر کی خصوصیات

مصدرِ اوصافِ نیک مرزا شجاعت بیگ نقل کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کا جسمِ مبارک کبھی برہنہ کسی نے نہیں دیکھا۔ جب کبھی حمام میں تشریف لے جاتے، اکثر میں ہی ان کے جسم کی مالش کرتا تھا، سوائے چہرۂ مبارک کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آتا۔ پُشت، بازو، سینہ و شکم کی مالش کرتے ہوئے میرے ہاتھوں کو لمس کا احساس ضرور ہوتا لیکن غور سے دیکھنے کے باوجود جسمِ پُرانوار ہرگز نظر نہیں آتا تھا۔

موج چہارم (چوتھا باب)

حضرت خواجہ رحمت اللہ کے خلفاء کا بیان

فصل (۱) حضرت سید مرتضیٰؒ

فرد الافراد، کعبۂ مراد، امام الاتقیاء، قطب الاصفیاء، سید السادات، قبلۂ حاجات، سید مرتضیٰ قدس سرہٗ ساکن ادھونی حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ الرحمہ کے سب سے پہلے خلیفہ تھے، جب کہ حضرت مولوی شاہ محمد رفیع الدین صاحب کو ان کے بعد خلافت ملی۔ یہ بڑا اونچا مقام اور مرتبۂ ارجمند رکھتے تھے۔ مراقبوں کی کثرت کی وجہ سے آپ کا سرِ مبارک بائیں کندھے پر لٹک کر رہ گیا تھا۔ حضرت خواجہ اپنے سب مریدوں سے زیادہ آپ ہی پر توجہ کرتے تھے۔ جب ادھونی سے ان کے تشریف لانے کی اطلاع حضرت خواجہ نے سنی تو رحمت آباد سے ایک فرسخ تک آدمیوں کو جابجا ٹھہرا دیا تھا کہ قدم بہ قدم ان کے آنے کی خوش خبری پہونچائیں اور خود سفید لباس زیب تن فرمایا، آنکھوں میں سرمہ کا خط کھینچا، اور نہایت فرحت و مسرت سے گھر کے صحن میں ان کی آمد کے منتظر رہے۔ جب حضرت سید مرتضیٰ کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو وہ پکے ہوئے پھل کی طرح حضور خواجہ علیہ الرحمہ کے قدموں پر گر پڑے۔ حضرت نے فوراً انہیں زمین سے اُٹھا کر اپنے سینے سے پورے جوش و ولولہ کے ساتھ چمٹا لیا، اور نہایت محبت و تپاک سے گفتگو کرنے لگے۔ جب تک وہ رحمت آباد میں رہے، حضرت خواجہ علیہ الرحمہ عشاء کی نماز کے بعد سے نصف شب تک ان کو ساتھ لے کر مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور دوسروں کا داخلہ اس وقت بند رہتا۔ اپنی رحلت کے وقت حضرت خواجہ نے انہیں تین پان اور سپاری کی دو ڈلیاں مرحمت فرمائیں۔ موصوف نے (حضرت کے وصال کے) ۵ سال بعد ۲۰؍ جمادی الاخریٰ ۱۲۰۰ھ (1786ء) کو ادھونی

میں انتقال فرمایا، اور وہیں مدفون ہیں۔ میرے استاذ حضرت مولوی محمد باقر آگاہ ویلوری نے نہایت عمدہ تاریخ نظم کی ہے:

سالکِ مرتاض سید مرتضیٰ — آنکہ حالش بود بر قالش گواہ
مشتہر با وصفِ خلوت ہمچو جان — منزوی در عینِ شہرت چوں نگاہ
کردہ از مدت سفرہا در وطن — از مقامِ تن بجاں شد روبراہ
خامہ تاریخِ وداعش زد رقم — عارفِ کامل زِ دنیا رفت آہ

۱۲۰۰ھ

فصل (۲) حضرت شاہ محمد صبغۃ اللہ۔ باوا صاحبؒ

صاحبِ کشف وکرامت، واقفِ اسرارِ غیب وشہادت، جبل الوقارِ شرع، مسمارِ ورع، عارف باللہ شاہ محمد صبغۃ اللہ عرفِ عام میں "باوا صاحب" کہلاتے تھے، اور قصبۂ نیلور کے متوطن تھے۔ یہ ہمیشہ مراقبہ میں غرق، اور مشاہدے میں ڈوبے رہتے تھے۔ آپکا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ تک پہونچتا ہے۔ نیلور ہی میں جامِ اجل نوش فرمایا، وہیں مدفن ہے۔

فصل (۳) حضرت محمد سرورؒ

قدوۂ اربابِ ولایت، پیشوائے اہل کشف وکرامت، مردِ میدانِ جہادِ اکبر، سرگروہِ اولیاء حضرت محمد سرور رحمۃ اللہ علیہ حاجی شہباز کے پوتے تھے۔ اور خواجہ علیہ الرحمہ کے خلفاء میں سے کسی کی بھی توجہ آپ جیسی تیز اور پرتاثیر نہیں تھی، ساری محفل کو بیک وقت بےخود کردیتے تھے۔ آپ کے آفتابِ فیض سے ایک عالم ماہ منیر کی طرح روشن ومنور تھا، اور ہر کوئی اپنی اپنی استعداد کے مطابق درجۂ یقین پر فائز ہوتا تھا۔ جُمادیٰ الاُخریٰ کی پہلی تاریخ کو ان کا انتقال ہوا، مزارِ مبارک نیلور ہی میں ہے۔

فصل (۴) محمد سرور صاحب کے ایک تصرف پر حضرت خواجہ کی ناراضگی

ابتداء میں سید محمد عاصم خان بہادر مبارز جنگ[1] مرحوم نے ایک روز ان سے رجوع کیا، حضرت محمد سرور نے بشارت دی کہ ان شاء اللہ تھوڑے عرصہ میں اللہ کرناٹک کی مدارالمہامی حاصل ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں ان کے ارشاد کے مطابق مبارز جنگ کی تمنا پوری ہوگئی۔ جب یہ خبر اڑتے اڑتے حضرت خواجہ رحمت اللہ علیہ تک پہونچی تو آپ نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ان کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ فقیر کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ امور غیب پر سے پردہ اُٹھائے۔ حضرت محمد سرور قدس سرہ بیدِ لرزاں ہوکر سائے کی طرح حضرت خواجہ کے قدموں پر گر کر بے اختیار رونے لگے۔ خواجہ علیہ الرحمہ نے آپ کی آہ وزاری پر ترس کھا کر ان کی خطا معاف کر دی۔ چند دن بعد مبارز جنگ مرحوم نے بڑی عقیدت مندی سے زادِ راہ اور سواری وغیرہ سفر کے لوازم بھیجے اور آپ سے مدراس تشریف لانے کی استدعا کی۔ ناچار حضرت محمد سرور نے بندرگاہ مدراس کی طرف رختِ سفر باندھا اور مرحوم نواب کے گھر پر ٹھہرے۔ وہاں نواب محمد علی خان بہادر والا جاہ نے حضرت کے کمالات کا شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور قلعہ تنجور کی فتح کے متعلق جس کا انہوں نے بڑی مدت سے محاصرہ کر رکھا تھا، درخواست کی۔ حضرت محمد سرور قدس سرہٗ "اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِّنَ الْخَطَاءِ وَالنِّسْيَانُ" کے بمصداق شیخ کی نصیحت بھول گئے اور فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ فلاں تاریخ کو آپ کی مراد بر آئے گی۔ چنانچہ ان کے بتلائے ہوئے دن اچانک ہی فتح تنجور کی خبر پہونچی، اس واقعہ کے بعد جب محمد سرور قدس سرہٗ مدراس سے واپس ہوئے اور خواجہ علیہ الرحمہ کے درِ اقدس کی

---

(۱) سید محمد عاصم خان بہادر مبارز جنگ "بحر رحمت" کے مصنف حضرت ابو سعید واؔلا کے والد کے سگے چچازاد بھائی، اوران کے دادا سید زین العابدین امامی کے بھتیجے تھے۔

چوکھٹ چومنے کی سعادت حاصل کی، حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے ان کی طرف سے منہ پھیرلیا۔بس پھر کیا تھا فوراً ان کا نورِ باطن کافور ہوگیا، اور چہرہ بجھی ہوئی شمع کی طرح تاریک ہوگیا، یہاں تک کہ ان کے بدن کے سفید لباس سے بھی سیاہی جھلکنے لگی۔

پہلے کی طرح انہوں نے اپنی تقصیر پر بہت کچھ عذر ومعذرت کی، لیکن فائدہ نہ ہوا۔ اور جس کسی نے بھی ان کی سفارش کی ہرگز قبول نہ ہوئی۔ آخر وہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی بے توجہی کی اس ذلت وخواری سے تنگ آکر کفِ افسوس ملتے ہوئے اپنے گھر روانہ ہوگئے جو قصبۂ نیلور میں رحمت آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر تھا۔ لوٹتے ہوئے ان کے ذہن میں یہی تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت خواجہ کے غیض وغضب کی آگ ٹھنڈی پڑجائے گی تو پھر ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں عفو وبخشش کی درخواست کروں گا۔ لیکن گھر پہونچتے ہی مرض الموت میں گرفتار ہوگئے۔ ہزاروں اشکِ ندامت بہائے اور خاکِ حسرت بارہا سر پر ڈالی۔ شاہ عبداللہ نقشبندی نے جو حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے ایک تھے، محمد سرور کی پرملال حالت سے واقف ہوکر ایک روز خواجہ علیہ الرحمہ سے بے اختیار فریاد کی اور زار وقطار رونے لگے۔ حضرت نے پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کی کہ ہمارے بھائیوں کی جماعت میں سے ایک بھائی سرمایۂ ایمان کے بغیر ہی راہیٔ راہِ فنا ہورہا ہے، فرمایا کون؟ عرض کی محمد سرور۔ حضرت خواجہ رح کچھ دیر سر جھکا کر خاموش رہے پھر سر اُٹھا کر جبۂ مبارک کی آستین کلائی پر ماری اور اس طرح ارشاد فرمایا کہ امید بندھ گئی، فرمایا: مطمئن رہو ان شاءاللہ تعالیٰ خواجۂ بزرگ بہاؤالدین مشکل کشا قدس سرہٗ العزیز کے غلاموں میں سے کوئی بھی سرمایۂ ایمان کے بغیر اور ناامید دنیا سے رخصت نہیں ہوگا۔

حضرت محمد سرور کا اطمینان اور وفات

جب یہ نوید شاہ عبداللہ نقشبندی کے ذریعہ محمد سرور قدس سرہٗ کے پاس پہونچی تو وہ باغ باغ ہو گئے۔ اور ہزار ہا شکریہ کے ساتھ انہیں لکھا کہ حضرت خواجہ کے احسانات اور ان کی توجہ کی سینچائی سے میرے باغِ دل کی کلی کلی کھل اُٹھی اور میرا ایمان بھی تازہ ہو گیا۔ ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ ان کی روح جس طرح خوش بو پھول سے نکلتی ہے بوئے ایمان کو ساتھ لئے قفس عنصری سے پرواز کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔

فصل (۵) حضرت سید عبداللہ کا ذکر

مجمع صفاتِ مَلک خواجہ کوچک قدس سرہٗ نے جن کی قطبیت کا شہرہ مکہ معظّمہ میں تھا، اپنے چھوٹے صاحبزادے سید عبداللہ کو تربیت کیلئے حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ لڑکے نے گو اپنے والد کی خواہش پوری کی لیکن نشۂ جوانی وفخرِ حسب ونسب کے زیرِ اثر چند عرب نژاد دوستوں کی شہ پر عجز وانکسار کے ساتھ سر تسلیم خم نہ کیا۔ ایک دن خوش قسمتی سے حضرت خواجہ کے وضو کرتے وقت سید عبداللہ قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، وضو سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خواجہ نے دستِ مبارک کا پانی ان کے چہرے پر چھڑک کر نماز کی نیت باندھ لی۔ صاحبزادے کے ہوش وحواس رخصت ہوئے اور بالکل مست و بےخود ہو گئے ان کی خودی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ نماز اداء فرمانے کے بعد جیسے ہی حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے گھر کا رخ کیا، سید عبداللہ نے شعلہ کی طرح اپنی جگہ سے جست کی اور سایہ کی طرح آپ کے پیچھے ہولئے۔ چوکیداروں نے دروازہ بند کر دیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے سے روک دیا۔ عبداللہ نے بے اختیار نعرہ بلند کیا اور آہ وزاری کرنے

لگے۔ حضرت ان کے شور وغل کی آوازیں سن کر باہر تشریف لائے اور ان کو طریقت میں داخل فرما کر تربیت کیلئے سید محمد سرور قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا۔ سید محمد سرور ان کے غرور ونخوت سے دل برداشتہ تھے۔ ان کو رحمت آباد سے باہر لے گئے اور قصبہ انا سمندر کے ایک ویران بت خانہ میں لے جا کر توجہ دینی شروع کی اور اپنا روحانی زور پورے کا پورا اُن پر ڈال دیا۔ قریب تھا کہ وہ اسی عالم مدہوشی میں موت کا شکار ہو جاتے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے اپنے دلِ عرش منزل کے جامِ جہاں نما میں عبداللہ کی اس تباہ حالت کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً اپنے گھر سے نکلے اور وہاں موجود لوگوں کو دوڑایا کہ عبداللہ کو انا سمندر سے فوری اُٹھالائیں۔ حسب الحکم لوگ جلدی سے انہیں اُٹھالائے اور محمد سرور بھی ساتھ چلے آئے۔ جیسے ہی سید محمد سرور سے حضرت کی نگاہیں دوچار ہوئیں غضبناک ہو کر فرمایا کہ میں نے سید عبداللہ کو تربیت کیلئے تمہارے سپرد کیا تھا نہ کہ ہلاک کرنے کیلئے۔ پھر حضرت آبِ رحمت کے ذریعہ عبداللہ کو بیخودی سے ہوش میں لے آئے۔ اور کچھ دن بعد انہیں کعبہ شریف (مکہ) کو روانہ فرما دیا۔ موصوف مکہ مکرمہ پہونچ کر جذب کی کیفیت کے حامل بن گئے اور مجذوب بن کر پھرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ اکثر اوقات ان سے کرامات کا صدور ہوا کرتا تھا۔

فصل (٦) حضرت محمد قطب خانؒ

ماہِ سپہرِ عرفان محمد قطب خان پہلے پہل سید محمد سرور کے نور ہدایت سے فیضیاب ہوئے۔ بعد ازاں تکمیل کمال کی خاطر طالبانِ خواجہ علیہ الرحمہ کے حلقہ میں شامل ہو گئے، اور بدر کامل کا درجہ پایا۔ ان کی توجہ کی تیزی برقِ خاطف سے سبقت لے گئی تھی، ہمیشہ بحرِ فنافی اللہ میں ڈوبے رہتے۔ ایک روز صحنِ مسجد میں تعمیری لکڑیوں کے انبار پر بیٹھے بیٹھے بیخود ہو گئے۔ خواجہ علیہ الرحمہ ابرِ رحمت کی طرح ان کے پاس سے گذرتے ہوئے مسجد میں

تشریف لے گئے، مگر وہ عالمِ بیخودی کے غلبے کے تحت حضرت کو پہچان نہ سکے اور نہ ہی حسبِ معمول تعظیم کیلئے اُٹھے۔ حضرت نے جب انہیں اس طرح بیخودی میں گم دیکھا تو حاضرین کی طرف رخ فرما کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے مرشد کو (یعنی خود کو) اس اعلیٰ مقام پر پہونچنے کیلئے ایک سو سال چاہئے۔ ۱۲۰۳ھ (1789ء) میں قصبہ شکاپور میں آپ نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔

فصل (۷) حضرت شاہ عنایت اللہؒ

عارف باللہ شاہ عنایت اللہؒ ساکنِ اجین، عنایاتِ حق سے بڑی ممتاز حیثیت کے مالک تھے، اور توجہ کی تیزی میں بے مثال تھے۔ ایک دن مرزا جانجانان مظہر قدس سرہٗ کے ایک مرید رحمت آباد آئے۔ جمعہ کے دن رواقِ مسجد میں مراقبہ کئے بیٹھے ہوئے تھے، اور اس وقت جناب خواجہ علیہ الرحمہ ختمِ خواجگان پڑھ رہے تھے۔ فراغت کے بعد گھر جانے کیلئے اُٹھے، ان صاحب نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ آپ کو رسول اللہ (ﷺ) کا واسطہ مجھ پر توجہ فرمایئے۔ حضور اکرم ﷺ کا نام پاک سنتے ہی حضرت خواجہؒ کی حالت غیر ہوگئی اور بیٹھ گئے۔ اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ ان صاحب کو شاہ عنایت اللہ کی خدمت میں لے جاؤ۔ خادم نے انہیں شاہ عنایت اللہ کے پاس پہونچا کر کہا کہ حضرت خواجہ نے انہیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان پر توجہ مبذول فرمائیں۔ شاہ عنایت اللہ کی توجہ کا تیر اس تیزی سے شخص مذکور کے دل پر بیٹھا کہ قریب تھا کہ ان کا مرغِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔

جناب خواجہ علیہ الرحمہ ان کے اس حال پر اطلاع پا کر بے قرار ہو کر اُٹھے اور شاہ عنایت اللہ کے گھر کی طرف بہت تیزی سے تشریف لے گئے۔ حضرت کو خلاف عادت ان کے گھر کی طرف جاتا دیکھ کر لوگ جوق در جوق حضرت کے پیچھے ہولئے۔ حضرت خواجہ

جب شاہ عنایت اللہ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ اجنبی صاحب مردے کی طرح بیہوش پڑے ہوئے ہیں اور شاہ عنایت اللہ مراقبے میں ہیں۔ حضرت نے برافروختہ ہو کر شاہ عنایت اللہ سے فرمایا کہ اس بے چارے کو میں نے تربیت کیلئے تمہارے پاس بھیجا تھا نہ کہ ہلاک کرنے کیلئے۔

حضرت خواجہ حمید الدین یاؔد

واقفِ اسرارِ خفی وجلی، پروانۂ شمعِ تجلی، گلستانِ استغناء کے سروِ آزاد، مولوی خواجہ حمید الدین المتخلص بہ یاؔد رحمۃ اللہ علیہ نے جو شاہ عنایت اللہ کے مرید تھے، اپنے مرشد کی تاریخِ ولادت عجیب صنعت میں یوں کہی ہے کہ جس میں ان کی عید الفطر کی پیدائش، روزِ ولادت، وقتِ ولادت اور مقامِ ولادت کا اس طرح ذکر ہے کہ اعداد جمع کریں تو سنہ ولادت نکلتا ہے:

عنایت اللہ ازو آمدہ برنگِ عطر — کہ چہار شنبہ واجین وصبح عید الفطر

٦ ٣ ١ ١ ٥

فصل (٨) حضرت شاہ ولی اللہؒ

صاحبِ حال وقال، مصدرِ ستودہ افعال، عارف باللہ، مولانا شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ بڑے وسیع اخلاق کے زیور سے آراستہ تھے، اور بقولِ خواجہ علیہ الرحمہ اسم بامسمیٰ تھے۔ اپنے وطنِ اصلی عظیم آباد (پٹنہ) میں علومِ ظاہری کی تحصیل سے فراغت کے بعد فنِ ادب میں بڑی شہرت حاصل کی۔ چنانچہ شیخ احمد شیروانی نے اپنے عربی تذکرے "نفحۃ الیمن" میں انہیں نامور ادیبوں کے زمرہ میں گنا ہے۔ نوجوانی میں فضلِ الٰہی انہیں کشاں کشاں حضرت خواجہ رحمت اللہؒ کے پاس لے آیا۔ اور انہوں نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی برکت سے بہت زیادہ باطنی فیوض و برکات حاصل کیں۔ حضرت ان پر بہت توجہ فرمایا

کرتے تھے اور ہر روز ان سے حدیث شریف سنتے تھے۔ ان کی کسرنفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے شاگردوں سے بھی نہایت ادب و تعظیم سے بات کرتے تھے، انہیں اونچی جگہ بٹھا کر خود جوتوں کی جگہ پر بیٹھتے تھے، جمعہ کے دن جب امام رکعت باندھ لیتا تو وہ تمام مصلیوں کے جوتے سیدھے کرنے کے بعد نماز میں شریک ہوا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کے انتقال کے ایک سال بعد کلکتہ کی طرف رخت سفر باندھا اور وہیں چند روز سکونت کے بعد انتقال کیا۔ جناب مولوی محمد باقر آگاہ نے اس طرح ان کی تاریخ (وفات) نظم کی ہے:

ولی اللہ آں استاد کامل	کزو بزمِ اِفادت داشت رونق
نگاہش منظرِ انوار سرمد	دلش آئینہ دارِ جلوۂ حق
نہاں شد در حجابِ علم ورنہ	بارشادِ حقایق بود الیق
برین کلفت سرا افشاندہ دامن	الیٰ خیرالمنازل صار یسبق
برائے ضبطِ تاریخِ وفاتش	تفکر با خیالم بود ملحق
بگوشم خورد فریادِ نئے کلک	پرید از قید تن گردید مطلق
	۵ ۰ ۲ ۱ ھ

فصل (۹) حضرت شاہ ابوالحسن قربیؒ

بقیہ سلف و خلاصۂ خلف، قطبِ زمن سید شاہ ابوالحسن المتخلص بہ قربی، ویلور کے رہنے والے تھے۔ تکمیلِ کمال کی خاطر خواجہ علیہ الرحمہ کے طالب ہوئے اور سلوکِ نقشبندیہ کی تکمیل تک رحمت آباد میں مقیم رہے، پھر حضرت نے انہیں خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، پھر ویلور روانہ ہوئے۔ میرے استاذ مولوی باقر آگاہ نے اپنی تصنیف ''تحفۃ الاحسن فی

مناقب السید ابی الحسن'' میں اپنے مرشد رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اور اس طرح ان کی تاریخ وفات نظم کی ہے:

بوالحسن آنکہ از نمِ فیضش	چمنِ دیں چو باغِ خلد شگفت
قرطۂ گوشِ عرشیاں گردید	آن گہرہا کہ در معارف سفت
از پئے واردانِ مشہد غیب	خس و خاشاکِ غیر از دل رُفت
کرد ازین طاقِ تنگ عزمِ رحیل	تاشود با جہانِ مطلق جفت
در حریمِ بقا بشاہدِ قدس	دوش بردوش، شاد وخندان خفت
بود جانِ جہاں ازیں معنی	از سفر کردنش جہاں آشفت
فکرِ تاریخِ رحلتش کردم	''غاب قطب البلادؒ'' ہاتف گفت
	۲ ۸ ۱ ۱ ھ

فصل (۱۰) تذکرۂ حضرت مولوی شاہ محمد رفیع الدین قندھاریؒ

رفیع الدرجات، شمس المقامات، تاج الفقراء، عروۃ العرفا، شیخ الابرار، امام الاخیار، وحید العصر، قطب الدہر، چارۂ بیچارگاں، دستگیرِ درماندگان، کہفنا وملاذنا ومولانا ومرشدنا حاجی الحرمین الشریفین جناب مولوی شاہ رفیع الدین محدث، روح اللہ روحہ واعاد الینا فتوحہ۔ سب سے پہلے موصوف نے ان کے اپنے تذکرے ''انوار القندھار''[1] میں جو حالات بیان فرمائے ہیں ان کو تیمناً اور تبرکاً لکھ دیتا ہوں، اس کے بعد ان کے خاص حالات جو میں نے خود ان کی زبانِ الہام ترجمان سے سنے ہیں یا باوثوق حضرات سے سنے گئے ہیں اور جنہیں بیان کرنا میں اپنی سعادت سمجھتا ہوں درج کروں گا۔ انوار القندھار میں یوں رقم طراز ہیں:

---

(۱) ''انوار القندھار'' قندھار شریف کے اولیائے کرام کا تذکرہ ہے۔

تراب اقدام السالکین، وخادمِ فقراء وفقہاء ومحدثین محمد رفیع الدین بن محمد شمس الدین بن محمد تاج الدین نقشبندی القادری عفی عنہم اجمعین۔ فقیر اپنے دادا کی زرخرید حویلی متصل محلہ قاضی پورہ قصبۂ قندھار شریف[1] میں جمعرات کے دن فجر کی نماز کے بعد ۱۹ر جمادی الاخریٰ ۱۱۶۴ھ (1751ء) میں پیدا ہوا۔ میرے والد جو بہت نیک آدمی تھے، اولاد کی نیت سے چند دن تک حضرت مخدوم حاجی سیاح قدس سرہٗ کی مسجد میں معتکف رہے، یہاں تک کہ حضرت مخدوم نے عالمِ رؤیا میں کھانے کی ایک صحنک (مٹی کی رکابی) عنایت فرماتے ہوئے بشارت دی کہ تمہیں ایک بیٹا ہوگا مگراس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ چنانچہ میری والدہ جو بے حد صالحہ، عابدہ، اور سلسلۂ قادریہ میں بیعت بھی تھیں تکمیل ایامِ حمل کے بعد نمازِ فجر اداء کر کے تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھیں کہ یہ فقیر پیدا ہوا۔

چنانچہ حضرت حاجی سیاح کے حکم کے مطابق میرا نام غلام رفاعی رکھا گیا اور عرفیت محمد رفیع الدین ہے۔ کچھ شعور آنے کے بعد اعزہ واقارب اور دیگر حضرات سے ابتدائی تعلیم حاصل کرتا رہا، یہاں تک کہ چودہ سال کی عمر میں شرح ملا جامی تک پہونچ گیا۔

حضرت مخدوم حاجی سیاح نے عالم رؤیا میں ایک کتاب اس خاکسار کو عنایت فرما کر ''یادداشت'' نامی ذکر میں مشغول فرمادیا۔ چنانچہ بچپن ہی سے اس فقیر کی نسبت جاری ہے۔ اور اس فقیر نے اُن کی روحانیت سے بہت فیض[2] حاصل کیا۔ اگرچہ اس نسبت

---

(۱) قندھار موجودہ ریاست مہاراشٹرا کے ضلع ناندیڑ کا ایک تعلقہ ہے جو ناندیڑ سے جانب مغرب ۵۱ کیلومیٹر پر واقع ہے۔ (قدیری)۔

(۲) انوار القندھار کے قلمی نسخے میں سے یہ عبارت لی گئی ہے جیسا کہ خود مصنف نے بیان کیا ہے مگر یہاں اُس نسخے کے کاتب سے فروگذاشت ہوگئی کیونکہ اس جملے سے پہلے ایک جملہ ہے کہ ''فقیر کی نسبت اویسی ہے'' یہ جملہ تحریر ہونے سے رہ گیا۔

کی تعبیر اور نام حضرت قدوتی و مرشدی خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ ﷺ کی صحبت پر موقوف تھا۔

بعد میں جب طَلَب علم کا جذبہ مستحکم ہوگیا تو میں نے اورنگ آباد کا سفر کیا اور قدوتی و مقتدائی و مولائی حضرت مولوی سید فخرالدین مرحوم و مغفور قدس سرہٗ اور وہاں کے دوسرے علماء سے نچلی کتابوں سے لے کر حاشیۂ قدیم و بیضاوی شریف مع لوازم و حواشی پڑھ کر فارغ ہونے کے بعد والد صاحب کے طلب فرمانے پر قندھار لوٹا۔ بعدازاں استخارہ اور حضرت مخدوم (حاجی سیاح) کے حکم کے بموجب مرشد کامل کی تلاش میں رحمت آباد پہونچ کر شیخ المشائخ وحیدِ عصر قدوتی و مرشدی خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ ﷺ سے ایک سال تک سلوک کی عملی تربیت حاصل کی۔ اور طریقۂ قادریہ و نقشبندیہ کی اجازت حاصل کر کے اور ان کا خرقۂ خلافت پہن کر لوٹتے وقت اثنائے راہ میں حیدرآباد پہونچا۔ یہاں پانچ سال تک مقیم رہ کر کئی ایک طلبا کی طریقۂ تصوف میں تربیت کرتا رہا۔ پھر وہاں سے مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا، اور وہاں تین سال کی مدت میں محمد بن عبداللہ مغربی وغیرہ مشائخ و محدثینِ زمانہ سے جو اُس وقت حرمین الشریفین میں موجود تھے صحاحِ ستہ وغیرہ کتب احادیث شریفہ اور مختلف سلاسل کے اعمال و اشغال کا استفادہ کیا، ۱۱۹۰ھ (1776ء) میں بفضل الٰہی صحیح وسلامت قندھار لوٹا اور اپنے والد بزرگوار اور دیگر بزرگوں کی خدمت میں رہنے لگا۔ ایک نئی خانقاہ حضرت امام حسین، حضرت محبوبِ سبحانی اور شاہ نقشبند کے نام سے وہاں تعمیر کی جس میں ہمیشہ فقراء و مساکین اور مسافرین کی خدمت کیا کرتا ہوں۔ اس فقیر کی شادی سب سے پہلے ۱۴ سال کی عمر میں اپنے چچا محمد غیاث الدین کے ہاں ہوئی۔

(یہاں حضرت شاہ رفیع الدین قندھاری کی عبارت ختم ہوئی)

فصل (۱۱) حضرت شاہ رفیع الدین کی شاعری

حضرت مولوی شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے عہد شباب میں حضرت شاہ قدرت اللہ بلیغ (۱) کی خدمت میں مشقِ سخن بہم پہونچائی اور اپنے اسم گرامی کو ہی بطور تخلص اختیار کیا (۲)۔ مندرجہ ذیل تین اشعار جو آپ کی طبعِ رسا کا نتیجہ ہیں، دیوانِ حافظ کے نسخے میں لکھے ہوئے پائے گئے، یہاں زیبِ قرطاس کرتا ہوں: (۳) ؎

بیا بیا کہ شہید تو بے دفن باقیست | برنگِ شمع بہ فانوس در کفن باقیست

زِ روئے لطف بکس بوسہ دادہ اِی شاید | کہ ہمچو شبنمِ گل نقش بر دہن باقیست

سپند وار زِ سوز تو نالہا کردیم | سخن تمام شد و آخریں سخن باقیست (۴)

---

(۱) شاہ قدرت اللہ بلیغ حضرت رفیع الدین قندھاری کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ میر محمد قمر الدین عرفاؔن کے بھی استاد تھے، ان سے حضرت رفیع الدین قندھاری نے دیوان ناصؔر علی و شوکتؔ و اسیؔر پڑھے تھے۔

(۲) تاریخ قندھار دکن کے مصنف نے آپ کا تخلص نطقؔ بتلایا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔

(۳) ''محبوب ذو المنن تذکرۂ اولیائے دکن'' میں عبد الجبار ملکاپوری نے بھی یہ اشعار نقل کئے ہیں۔

(۴) بحرِ رحمت کے مطالعہ سے پہلے جب ''مناقبِ شجاعیہ'' (مؤلف حضرت امیر اللہ فاروقیؒ) میں ان اشعار کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اُس وقت سے میں سوچتا تھا کہ مذکورہ اشعار کے شعر نمبر دو کی طرح کا شوخ شعر حضرت نے کیوں نظم فرمایا ہوگا؟ لیکن بحرِ رحمت میں جب دیکھا کہ حضرت کے یہ اشعار دیوانِ حافظ کے نسخے میں لکھے ہوئے پائے گئے تھے تو الحمد للہ گتھی سلجھ گئی اور یوں سمجھ میں آیا کہ حضرت نے حافظؔ کے رنگ میں کچھ فرمانا چاہا تھا اور بس۔ جیسا کہ آگے چل کر حیدرآباد کے بعض بزرگوں نے داغ کے رنگ میں شاعری فرمائی ہے۔

مذکورہ فارسی شعر

زروئے لطف بکس بوسہ دادۂ شاید | کہ ہمچو شبنم گل نقش بر دہن باقیست

کی اردو شعر میں شاید یوں ترجمانی کی جاسکتی ہے ؎

کسی کو چاؤ سے دے آئے بوسہ تم شاید | دہن پہ شبنم گل جیسا نقش باقی ہے (قدیری)

فصل (۱۲) حضرت شاہ رفیع الدین کی نثر نگاری

حضرت کی نثر میں بڑی مٹھاس تھی۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی[1] کی طرح ادیبانہ طرز

---

(۱) میر غلام علی نام اور تخلص آزاد تھا، ۱۱۱۶ھ (1704ء) میں بلگرام میں پیدا ہوئے، میر طفیل احمد بلگرامی سے درسی کتابیں پڑھیں، میر عبدالجلیل سقی اللہ ثراہ سے لغت و حدیث کا علم حاصل کیا، میر سید محمد سے عروض وقوافی اور فنِ شعروسخن کی تربیت پائی۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد حیات سندی سے صحیح بخاری اور دیگر کتب احادیث کی سند حاصل کی۔ مکہ معظمہ میں بے نظیر عالم دین علامہ شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۱۳۰ھ (1718ء) میں سید لطف اللہ بلگرامی سے بیعت کی۔ ۱۱۵۰ھ (1737ء) میں سفرِ بیت اللہ کیا۔ ۱۱۵۲ھ (1739ء) میں اورنگ آباد آکر باباشاہ مسافر غجدوانی کے تکیے میں قیام کیا۔ جب نواب ناصر جنگ صوبیدارِ حیدرآباد ہوئے تو انہوں نے اپنے دربار میں بلایا، اور ہمیشہ کیلئے آپ سے رشتۂ رفاقت استوار کرلیا۔ ناصر جنگ کی شہادت پر بے حد افسردہ ہوکر ۱۱۶۴ھ (1751ء) میں اورنگ آباد لوٹے۔

اورنگ آباد میں آپ عموماً شاہ مسافر غجدوانی کے تکیے میں ان کے خلیفہ شاہ محمود کے پاس رہتے تھے، بیحد نرم مزاج اور رحمدل تھے، غرباء و فقراء کی دستگیری کو ہمیشہ مستعد رہتے تھے۔ علم وادب میں وہ اونچا مقام تھا کہ امراء ورؤساء عزت واحترام سے پیش آتے تھے۔ ایسی بے نیازانہ زندگی بسر کی کہ کسی امیر کی تعریف ان کے قلم سے نہ نکلی۔ امراء سے تعلق اس لئے رکھتے تھے کہ اہل حاجت کی سفارش کر کے ان کی حاجت براری کرسکیں۔

شاعری میں بے نظیر تھے اور بدیہہ گوئی میں لاجواب، تاریخ گوئی میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔ آپ کی تصنیفات وتالیفات بے شمار ہیں، عربی وفارسی میں متعدد دیوان آپ نے مرتب کئے۔ نعتیہ قصائد بہت کہتے تھے، اسلئے آپ کو ''حسان الہند'' بھی کہتے ہیں، تاریخ وتذکرہ نویسی میں بھی کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

خزانۂ عامرہ، سروِ آزاد، ید بیضاء، تذکرۂ روضۃ الاولیاء خلد آباد، مآثر الکرام اور سبحۃ المرجان آپ کی چند مشہور کتابیں ہیں۔ ۱۲۰۰ھ (1786ء) میں انتقال فرمایا۔ ''آہ غلام علی آزاد'' مادۂ تاریخ ہے۔

۱۲۰۰ھ

نمونۂ کلام:

آزاد پیر میکدہ ارشاد میکند	در پائے خم نشینی و مے در سبو کنی
سیرِ حسنِ آن ذقن با زلفِ عنبر فام کن	سایہ وچاہ است اے دل اندکے آرام کن
گفتم آں یارے کہ باشد شمعِ ایں محفل کجاست	آمد آوازے کہ در دل جوئی، گفتم دل کجاست
پیشِ گل بے رتبہ می گردد بہار یاسمن	قدر مفلس نیست در بزمے کہ صاحب زر رسید

سے لکھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ میر غلام علی آزادؔ مولوی قمر الدین[1] قدس سرہٗ سے نیاز مندانہ ربط رکھتے تھے، یہاں تک کہ بیس بیس دن اورنگ آباد کے باغوں کی اکٹھے سیر کیا کرتے تھے، اور حضرت مولوی صاحب بھی اپنے استاد کی صحبت ورفاقت میں اس طرح چلتے تھے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے پیچھے چلتے تھے۔

انہی دنوں میں ان کو میرِ موصوف کے ساتھ رہنے کا زیادہ اتفاق ہوا اور اسی بناء پر حضرت نے میر صاحب کے طرزِ تحریر کو اپنا لیا۔

فصل (۱۳) حضرت خواجہ رحمت اللہ سے شاہ رفیع الدینؒ کی بیعت کا واقعہ

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں آنے کے بعد دوسرے دن حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بارے میں محمد علی خان بہادر والا جاہ کو ایک خط لکھ دیتا ہوں، اسے لیکر تم چلے جاؤ، وہ تم سے اچھا سلوک کریں گے۔ یہ سن کر میں بہت رنجیدہ ہوا اور عرض کی کہ وہ دولت اور ذرائعِ معاش جو غلام کے بزرگ پیدا کر کے رکھ گئے ہیں میری ضرورت سے زیادہ ہیں لیکن اُسے بھی میں اپنے حق میں حرام سمجھتا ہوں، میں تو فقط ہادیٔ اشباح وارواح حاجی محمد سیاح قدس سرہٗ کے اشارہ کے بموجب باطنی تربیت کی توقع میں آپ کے آستانہ پر حاضر ہوا ہوں۔ میری یہ درخواست سنتے ہی حضرت خواجہ بے اختیار رونے لگے، اور فرمایا کہ بَارَکَ اللہُ فِیْکَ (اللہ تم کو برکت دے) آج کل جو لوگ بیعت کیلئے آتے ہیں ان میں سے کوئی تو سفارش کیلئے بیعت کرتا

---

(۱) محمد قمر الدین نام اور عرفان تخلص تھا، عالم حافظ اور قاری تھے اور محمد قدرت اللہ بلیغ کے شاگرد تھے، بہت اچھے شعر کہے ۱۱۹۰ھ (1776ء) میں انتقال فرمایا۔ مزار اورنگ آباد میں ہے:

گریباں گیرِ ما، ہرگز نشد دستِ تمنائے   چوں مجنوں تا بکف آوردہ ام دامانِ صحرا را

ہے، کوئی عملِ تسخیر کی اجازت حاصل کرنے اور کوئی نسخہ کیمیا لینے کی غرض سے آتا ہے، یہ سمجھ کر کہ فقیر اس سے واقف ہے۔

پھر حضرت خواجہ نے مجھے دوگانہ رؤیت رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سکھلایا اور اجازت مرحمت فرمائی، اور ارشاد ہوا کہ جس رات عمل کرو اس رات کے واقعہ کی حقیقت یاد رکھنا، اور صبح کو سب تفصیل بیان کرنا۔ مذکورہ خواب رسالہ نقشبندیہ[1] سے جو آپ کی تالیف ہے یہاں بعینہٖ نقل کرتا ہوں :

دوگانے کا عمل کرنے کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صحرائے عظیم میں تنہا کھڑا ہوا ہوں۔ ایک ہولناک، دراز قد، سیہ رو شخص میری طرف آ رہا ہے، اور میں اس سے نہایت پریشان ہوں، کہ اچانک ایک بڑی فوج دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے تلواروں اور ڈنڈوں سے اس ہولناک شخص کو مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ میں نے پوچھا یہ فوج کیسی ہے؟ کہا گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا خاص ہراول دستہ ہے اور آنحضرت ﷺ بھی تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سن کر میں بہت خوش ہوا۔ اور اُردوئے معلیٰ (مقدس لشکر) کے

---

(۱) رسالہ نقشبندیہ شاہ رفیع الدین کی تالیف ہے۔ اس میں دوگانہ رویتِ رسول اللہ ﷺ کی ترکیب یوں دی گئی ہے: جمعرات کو روزہ رکھے اور کھیر سے افطار کرے، عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنے، عطر لگائے، بخور جلائے، اور ایک پاک وصاف خالی کمرہ میں بہ ترتیب ذیل دوگانہ رویت ادا کرے:
نیت: نَوَیتُ اَن اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکعَتَینِ صَلٰوۃَ الاَسرَارِ المُحَمَّدِیَّۃِ مُتَوَجِّهاً اِلٰی جِهَۃِ الکَعبَۃِ الشَّرِیفَۃِ اللّٰہُ اَکبَر – ثناء کے بعد پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھ کر ہزار مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھے، دوسری رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ "محمد رسول اللہ" ہزار مرتبہ پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضور کی روح پر فاتحہ پڑھے۔ روزہ و نماز کا ثواب حضور ﷺ کو پہنچائے پھر سجدے میں سر رکھ کر یہ جملہ کہتے کہتے سو جائے کہ "میں نے حضور کا آستانہ تھام لیا ہے، اور اس وقت تک نہیں چھوڑونگا جب تک کہ میری مراد پوری نہ ہو"۔ (حضرت مصنفؒ نے دوگانہ رویت کی کیفیت نہیں لکھی ہے۔ اس لئے رسالہ نقشبندیہ سے حاشیہ میں نقل کی گئی)۔

کنارے کھڑا ہو گیا۔ قسم قسم کے بزرگ فوج در فوج چلے آتے تھے۔ پھر اچانک آنحضرت ﷺ کی سواری مبارک ظاہر ہوئی۔ حضور ﷺ ایک تخت پر متمکن تھے، اور لوگ چاروں طرف سے آپؐ کے تخت کو تھامے ہوئے تھے۔ جیسے ہی آپ کا تختِ مبارک میرے قریب آیا میں جلدی سے آداب بجالایا اور بے انتہا تضرع و نیاز مندی کرنے لگا۔ حضورؐ نے مسکراتے ہوئے مجھ پر نگاہِ شفقت و نظرِ کرم ڈالی اور قریب کھڑے ہوئے ایک شخص کو حکم دیا کہ اسے عبدالخالق غجدوانی کے پاس لے جاؤ۔ یہ کہہ کر تختِ مبارک روانہ ہو گیا، اور میں رخصت ہو کر اس شخص کے ہمراہ عبدالخالق غجدوانی کے پاس روانہ ہوا۔ ہم نے ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ ایک ایسے خوبصورت باغ میں پہنچے جس کے اوصاف نہ الفاظ میں بیان کئے جاسکتے ہیں نہ ضبطِ تحریر میں لائے جاسکتے ہیں۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک بے حد آراستہ و پیراستہ چبوترہ تھا اور اس پر حضرت عبدالخالق غجدوانی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے اطراف چند بزرگ حلقہ باندھے مراقبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہُ العزیز کی صورت مجھے اچھی طرح یاد ہے، ان کا رنگ سرخ، ریش سفید، قد درمیانہ اور چہرہ گول ہے، سفید لباس میں اپنی باطنی نورانیت کے سبب وہ چمکتے ہوئے سورج کی طرح نظر آرہے تھے۔ میرے ہمراہ جو صاحب مأمور تھے، انہوں نے مجھے خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے پاس پیش کر کے کہا کہ جنابِ سرورِ عالم ﷺ نے اس شخص کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔

عبدالخالق غجدوانی نے میری طرف متوجہ ہو کر اپنے سامنے بلایا۔ جب فقیر مراقبے میں بیٹھے ہوئے حضرات کے حلقے میں سے حضرت عبدالخالق کے قریب پہونچا تو انتہائی اشتیاق سے اپنا سر ان کے پائے مبارک پر رکھ دیا۔ حضرت عبدالخالق غجدوانی نے اپنے دستِ مبارک سے میرا سر اُٹھا کر مجھے سرفراز فرمایا، اس کے بعد کچھ ارشاد فرمایا جس کے اظہار کی مجھے اجازت نہیں ہے۔

بیدار ہو کر میں نے فوراً خواب میں گذرا ہوا یہ واقعہ اپنے مرشد سے کہہ سنایا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ تجھے طریقہ علیہ نقشبندیہ میں کامل فیض ملے گا، بڑا اونچا مقام حاصل ہوگا، کیونکہ جناب رسالت مآب ﷺ کے حکم کے بموجب سلسلۂ نقشبندیہ کے رئیس حضرت عبدالخالق غجدوانی کی تجھ پر پوری توجہ ہوئی ہے۔ اس بڑی بشارت کے بعد بھی کئی مرتبہ مذکورہ بالا دوگانے کے طفیل مجھے رؤیت نبوی میسر ہوئی، جس کا ذکر کرنا باعث طوالت ہوگا۔ اِس موقعہ پر اظہار شکر و تیمن کی خاطر اِسی قدر تذکرہ کافی ہے۔

فصل (۱۴) شاہ رفیع الدین قندھاری کے زمانۂ طالب علمی کا حال

مولوی سید محمد جو مولوی خیرالدین[1] صاحب سورتی کے مرید اور مولوی فخرالدین صاحب مغفور اورنگ آبادی کے شاگرد تھے، نقل کرتے ہیں کہ اورنگ آباد کے اکثر لوگوں سے سنا گیا ہے کہ مولوی شاہ محمد رفیع الدین قدس سرہ طالب علمی کے زمانے میں رات بھر بیگم کے روضے[2] میں اکیلے بیٹھے اس طرح گریہ وزاری کیا کرتے تھے کہ گرے ہوئے آنسوؤں کی علامت زمین پر محسوس ہوتی تھی۔

فصل (۱۵) شیخ احمد متولی آثارِ شریف نانديڑ کا بیان

شیخ احمد نامی ایک بہت عمر رسیدہ بزرگ جو قصبۂ نانديڑ میں آثارِ شریف کے متولی

---

(۱) مولوی خیر الدین سورتی، مولانا فخرالدین اورنگ آبادی کے شاگرد تھے۔ بہترین محدث، فقیہ اور واعظ تھے، سلسلۂ نقشبندیہ سے تعلق تھا، اکثر علماء آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے۔ خانقاہ سورت میں تھی، ہمیشہ حجاج کرام اور فقراء کی خدمت کیا کرتے تھے۔ دکن کے تمام امراء آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ اہلِ مکہ و مدینہ آپ کو خیر الدنیا و الدین کہتے تھے، ۱۲۰۰ھ (1786ء) میں وفات پائی۔

(۲) مصنفؒ نے روضۂ بیگم لکھا ہے۔ یہ غالباً اورنگ زیب کی بیوی اور شہزادہ معظم کی ماں رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے جسے شہزادۂ معظم نے تاج محل کے نمونہ پر ۱۰۷۰ھ (1660ء) میں بنوایا تھا۔ یہ آج کل بی بی کا مقبرہ کہلاتا ہے۔ (قدیری)

تھے، کہتے تھے کہ میں نے حضرت (مولوی رفیع الدین صاحب) کو ان کے بچپن میں دیکھا ہے کہ آپ کے چہرہ سے نورِ عظمت جھلکتا تھا۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ آپ کے تقدس کے چرچے ہونے لگے، جبھی سے میں آپ کا دامنِ ارادت تھام کر سایے کی طرح آپ کی خدمت میں ہوں۔ شروع شروع میں زیادہ تر دشت و بیابان اور پہاڑوں میں رہتے تھے، اور بعض اوقات تو یوں ہوتا کہ تین تین دن تک فاقہ گذر جاتا تھا (اور کھیل تک اڑھ کر منہ میں نہ پڑتی تھی)۔ آپ کے خادم کمزوری اور بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر گر پڑتے، مگر حضرت فرماتے تھے کہ صبر کرو حق جل وعلا وعم نعماؤہ رزاق علی الاطلاق ہے پھر ایسا ہوتا تھا کہ اچانک لوگوں کے گھروں سے نفیس ترین غذاؤں کے خوان چلے آتے۔

فصل (۱۶) کھانے میں برکت کا ایک واقعہ

سید محی الدین جو حیدر آباد کے ایک مشائخ اور آنجناب کے مرید تھے، ذکر کرتے ہیں کہ شروع شروع میں ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ آپ کے گھر میں ایک سیر چنے یا ایک سیر آٹے سے بڑھ کر کوئی جنس نہ ہوتی، اگر بیس مسافر بھی آجاتے تو مع اپنے مریدوں کے ان کے ہمراہ تھوڑے چنے کھا لیتے یا پھر مہمانوں اور مریدوں کی جملہ تعداد کے مطابق آٹے کے پیڑے بنائے جاتے اور چھوٹی چھوٹی ٹکیاں سینکی جاتیں، اور ہر ایک کے سامنے ایک ایک کلچہ رکھ دیا جاتا، اگر بناتے وقت کچھ اور مسافر آجاتے تو بنے ہوئے پیڑوں کو پھر سے یکجا کر کے دوبارہ گوندھ کر نئی تعداد کے مطابق پیڑے بنا کر کلچے سینکے جاتے اور ہر ایک کو ایک ایک کلچہ دیا جاتا۔

فصل (۱۷) شاہ رفیع الدین قندھاری کا طرز عیادت

آپ کے ایک اور مرید شیخ مدار جو امام فخر الدین رازی کی اولاد سے تھے، اور آپ

سے بھی کچھ قرابت رکھتے تھے۔ قناعت، تقویٰ، صلاح، کسب، ریاضت، اُن کے محبوب مشغلے تھے۔ حکایت کرتے ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کا معمول یہ تھا کہ جب کسی مریض کی عیادت کوتشریف لے جاتے تو اسکوملاحظہ فرمانے کے بعد اگر یہ ارشاد فرماتے کہ ''علاج میں تاخیر نہ ہو حق تعالیٰ شافیٔ مطلق ہے، ضرور شفا عطا فرمائے گا'' تو مریض تھوڑے عرصہ میں تندرست ہو جاتا۔ اور اگر آپ خاموش رہتے تو مریض بہت جلد ملک عدم کی راہ لیتا۔

شاہ رفیع الدین کے فرزند محمد نجم الدین کا انتقال

جب آپ کے بڑے صاحبزادے محمد نجم الدین بیمار ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھ کر مجھے (شیخ مدار کو) بلایا اور وصیت کی کہ ''انتقال کے بعد انہیں فلاں جگہ دفن کرنا، اور مجھے انکے مرنے کی اطلاع نہ دینا''۔ یہ کہہ کر آپ مزاراتِ مقدسہ کی زیارت کیلئے اورنگ آباد تشریف لے گئے، صاحبزادے کچھ دنوں بعد انتقال فرما گئے۔ اور انہیں اسی جگہ دفن کیا گیا جس کی نشاندہی حضرت نے کی تھی۔ مگر میں نے اس سانحے کی اطلاع انہیں نہ دی۔ چھ ماہ بعد محمد نجم الدین مغفور کی والدہ (حضرت کی اہلیہ محترمہ) نے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کی (بذریعۂ خط) اجازت طلب کی تو انہوں نے اورنگ آباد سے خط لکھا کہ اگر تم کو آ کر میرے سامنے بیٹے کے غم میں گریہ وزاری کرنا منظور ہو تو نہیں آنا چاہئے ورنہ مضائقہ نہیں ہے۔ موصوفہ اورنگ آباد تشریف لے گئیں، اور مولوی صاحب کے حکم کی تعمیل میں کبھی بھول کر بھی اپنے فرزندِ ارجمند کا نام زبان پر نہ لائیں۔ چند دنوں کے بعد انہوں نے اپنے محلِ مبارک کو قندھار بھیج دیا، اور خود رحمت آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ خواجہ علیہ الرحمہ کے مزارِ فیض بار کی زیارت سے فارغ ہو کر قصبۂ نانڈیڑ میں سکونت اختیار فرمائی۔

فصل (۱۸) شاہ رفیع الدین کی تواضع وانکساری

حضرت مولوی صاحب کبھی بھی فضول باتیں اور مبالغہ نہیں کرتے تھے۔ کمال فروتنی سے ہر کس وناکس کی تعظیم کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ گفتگو کے دوران اپنے مخاطب کیلئے آداب کے ایسے الفاظ ارشاد فرماتے جو اس کے رتبہ سے بڑھ کر ہوتے۔ انتہائی گندے لوگ جنہیں دیکھ کر طبیعت سوکوس دور بھاگے، حضرت مولوی صاحب ان کے ساتھ بیٹھ کر بے تکلف کھانا کھالیتے تھے۔ رحمت آباد میں فقیر نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے کہ لوگوں کو تو دسترخوان پر کھانے کی اجازت دے دی، لیکن خود محمد اکبر نامی ایک ایسے گندے شخص کے ساتھ کھانے کیلئے بیٹھے کہ کھانا کھاتے وقت اسکی ناک سے رینٹ کھانے میں گرتا تھا، اور وہ انتہائی رغبت سے کھاتا رہتا تھا، کسی نے کبھی اسکے جسم پر صاف کپڑے تک نہیں دیکھے تھے۔

فصل (۱۹) حضرت شاہ رفیع الدین کے شبانہ روز معمولات

حضرت مولوی صاحب ہمیشہ باوضو رہا کرتے اور ہر وضو کے بعد دو رکعت نماز شکرانہ (تحیۃ الوضو) اداء کرتے۔ آپ کا معمول تھا کہ نمازِ تہجد اداء کرنے کے بعد نمازِ فجر تک مراقبہ میں بیٹھے رہتے، نیز نمازِ فجر کے بعد نمازِ اشراق تک ماسوا اللہ سے اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ پھر مسجد سے اٹھ کر گھر میں تشریف لاتے، اور وہاں ایک پہر تک بزرگانِ دین کے احوال و حکایات بیان کرتے، پھر تناولِ طعام کے بعد قیلولہ فرماتے۔ پھر اولِ وقت ظہر کی نماز کیلئے مسجد تشریف لے جاتے، اور عشاء کی نماز تک وہیں رہتے۔ نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر گھر تشریف لاتے، اور لوگوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے۔ دوامی مراقبہ جو

خانوادۂ خواجگان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں ہم نے سنا تھا حضرت کی ذات میں ہم نے اُسے دیکھا۔ حضرت کو کبھی بھی کسی نے عزیزوں سے بے ربط نہیں پایا۔ آپ کا چہرۂ مبارک نورِ باطنی سے مثلِ آفتاب چمکتا تھا۔ امتحاناً میں نے بارہا ان کے چہرے کو جی بھر کر دیکھنا چاہا، مگر نہیں دیکھ سکا (آنکھیں چندھیا گئیں) دوسرے لوگوں کا بھی یہی کہنا تھا۔ شروع شروع میں تو مولوی صاحب پر اس قدر استغراق طاری رہتا تھا کہ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کی قبر کے طواف کیلئے مسجد سے اُٹھتے مگر گنبد کے دروازہ کا راستہ بھول کر دوسری طرف چلے جاتے۔ کبھی کبھی زانو سے سر اُٹھا کر شمال کی طرف (رخ کر کے) نماز پڑھنے لگتے، اور معلوم ہونے کے بعد نماز کا اعادہ فرما لیتے۔

فصل (۲۰) مولوی خیر الدین صاحب سے بندرِ سورت میں ملاقات

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے کہ سفرِ حجاز کے دوران بندرگاہِ سورت میں مولوی خیر الدین صاحب سے ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں۔ جب بھی ان کے گھر جاتا خود اپنے دستِ مبارک سے جھاڑو دینے لگتے، میں بہت التجا کرتا کہ جھاڑو میرے ہاتھ میں دید یجئے مگر وہ ہرگز نہ مانتے اور فرماتے کہ تم میرے معزز مہمان ہو اور مہمان کی خدمت میزبان پر واجب ہوتی ہے نہ کہ مہمان پر۔ مہمان نوازی کے لوازم سے فارغ ہو کر انہوں نے مجھے اپنے مریدوں سے ملوایا، اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے بڑھاپے کے سبب میں اِن کی تربیت سے قاصر ہوں، آپ کو قسم ہے ان سے پوچھ لیجئے اگر انہیں تلقین کرنے میں کوئی بھول چوک ہوئی ہو تو آپ ضرور تلقین فرما دیں۔ مجبوراً ان کے حکم کی تعمیل میں مریدوں سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ درحقیقت انہوں نے ارشادِ سلوک میں تقدیم و تاخیر کر دی تھی۔ اُس روز سے میرے دل میں سلوک کی تعلیم و تربیت کیلئے ایک ہدایت نامہ تحریر کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور یہ تمنائے دیرینہ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی مدد سے مکہ معظمہ میں رسول اکرم ﷺ

کے انفاسِ قدسی کے طفیل آپؒ کے حکم کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہونچی۔ ''ثمرات مکیہ'' نامی کتاب میں حضرت مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ تفصیلی طور پر تحریر فرمایا ہے جو بعینہٖ یہاں درج کیا جاتا ہے:

''ثمرات مکیہ'' کی وجہِ تالیف

''فقیر کو مکہ معظمہ میں شبِ جمعہ بعض بشارتیں عالمِ رؤیا میں حاصل ہوئیں۔ میں نے دیکھا کہ کعبہ شریف کی دیوار سے ایک کتاب اور ایک قلمدان باہر نکلا۔ میں نے انتہائی مسرت سے اُن دونوں کو اُٹھالیا، اسی وقت ایک بزرگ نے آواز دی کہ یہ کتاب اور قلمدان جناب سرورِ کائنات وخلاصۂ موجودات ﷺ نے تمہیں عطا کیا ہے، مبارک ہو''۔

فصل (۲۱) شاہ رفیع الدین لوگوں کی دلجوئی کو افضل ترین عبادت سمجھتے تھے

کسرِ نفسی اور غمزدہ لوگوں کی دلدہی کو آنجناب تمام عبادتوں سے افضل شمار کرتے تھے، آپ نے کبھی کسی چھوٹے یا بڑے کا دل نہیں دُکھایا۔ اُن کے مریدوں کی کثرت کا یہی سبب تھا۔ جو کوئی آپ سے درخواست کرتا اسے آپ سید آدم[1] بنوری رضی اللہ عنہٗ کی طرح سلسلہ میں داخل فرمالیتے، اور اللہ کا راستہ دکھلاتے۔ اگر ان میں سے کوئی اُن کے ارشادات کے مطابق مستقل مزاجی سے عمل کرتا تو وہ رفتہ رفتہ منزلِ مقصود تک پہونچ جاتا، ورنہ وادیٔ ناکامی میں گم ہوجاتا: ؎ وحشت از حضرتِ گل نیست مگر نقص جعل

لیکن بعض کم فہموں کی[2] بدطینتی، مکاری اور جعلسازی کا یہ عالم ہے کہ وہ حقیقت کی

---

(۱) سید آدم بنوری کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں بتلائی جاتی ہے۔ وہ ہر طالب کو اپنے سلسلے میں داخل کر لیتے تھے، اور یہ چیز اللہ کے حوالہ کردیتے تھے کہ آیا وہ اس کا اہل ہے یا نہیں۔

(۲) یہاں اشارہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کی طرف ہے جسے شاہ صاحبؒ کے مریدوں کی کثرت کی بناء پر ان کا حیدرآباد میں رہنا ناگوار تھا۔

جستجو کئے بغیر اندھوں کی طرح اعتراض کی گندی نالی میں گر کر طعن و تشنیع پر اتر آتے ہیں:

قیل ان الرسول قد کھنا　　قیل اِن الإلٰــــہ ذو ولدٍ
من لسان الوریٰ فکیف انا[1]　　مانجا اللہُ والرسولُ معاً

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنابِ محبوب مآب اور جنابِ خواجہ بہاؤ الدین مشکل کشا (نقشبند) اور جنابِ خواجہ معین الدین چشتی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مرید بے شمار تھے، ان میں بہت سے ایسے تھے جو مرتبۂ ولایت تک نہیں پہونچ سکے۔ کیونکہ ہدایت کے معنی دو ہیں: ایک اِراءتِ طریق (راستہ دکھلانا)، دوسرا ایصال اِلیٰ المطلوب (منزل تک پہونچانا) چنانچہ "وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی" (یعنی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ہم نے قوم ثمود کو سیدھا راستہ دکھلایا مگر انہوں نے ہدایت کو چھوڑ کر اندھے پن کو پسند کیا) سے یہی مراد ہے۔ حضرت مولوی صاحب کے مریدوں میں سے بھی اُویس صاحب اور سعدو بابا جیسے بہت سے حضرات صاحبِ کمال ہوئے ہیں۔

فصل (۲۲) مریدوں پر توجہ کا طریقہ

حضرت مولوی صاحب کا ابتدائی دور میں معمول تھا کہ جب مراقبے کا قصد فرماتے تو مریدوں کو اپنے روبرو بٹھلا کر آپ کے جامِ توجہ سے فیضیاب کرتے، پھر اپنے خمارِ ہستی کو دور کردینے کی سعی کی جاتی۔ آخری زمانہ میں توجہ کا سلسلہ یک لخت موقوف کردیا تھا۔ اگر کوئی التجا کرتا تو اسے شیخ مدار کے حوالے کردیتے، مگر اس میں بھی مجھے آپ کا فیضِ صحبت پہلے سے زیادہ نظر آتا۔ چنانچہ اگر ایک سو افراد بھی ان کی محفل میں بیٹھتے تو وہ سب کے سب

---

(۱) ترجمہ: گمراہ کہتے ہیں کہ اللہ صاحب اولاد ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کاہن تھے۔ زبانِ خلق سے اللہ اور اس کا رسول نہ بچ سکے تو بتاؤ میں کس شمار میں ہوں۔ (قدیری)

حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر غیر سے بالکل منقطع ہوجاتے۔ فقیر یہ جاننے کی رات دن برابر کوشش کرتا رہا کہ آخر راز کیا ہے؟ لیکن اطراف واکناف سے حضرت کی ملاقات کیلئے آنے والے لوگوں کے اِزدحام کی بناء پر عرضِ مطلب سے قاصر رہا، جب حضرت مولوی شاہ رفیع الدین صاحب نے رحمت آباد سے (رخصت ہوکر) رختِ سفر باندھا تو فقیر بھی چند منزل تک بطورِ مشایعت آپ کے ہمراہ ہوگیا، ایک دن راہ میں میں نے موقعہ غنیمت جان کر مذکورہ خدشے کا اظہار آپ سے اس طرح کیا کہ "جناب حضرت خواجہ علیہ الرحمہ نے آخر میں رسمِ توجہ قطعاً ختم کردی تھی، غلام نے اس معمہ کو حل کرنے کی بہت کوشش کی، بہت غور وخوض کیا لیکن کوئی وجہ سمجھ میں نہ آسکی"؟ حضرت مولوی صاحب نے سنتے ہی مسکرا کر فرمایا کہ: "سالک کیلئے دو مقام ہیں ایک تلوین دوسرا تمکین۔ خواجہ علیہ الرحمہ آخری دور میں مقامِ تمکین پر فائز تھے"۔

فصل (۲۳) مؤلف این کتاب ابوسعید والا کا ایک ذاتی واقعہ

ایک دن میں خواجہ علیہ الرحمہ کے گنبد شریف میں غربی جانب اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ میری پشت قبلہ کی طرف اور چہرہ قبرِ شریف کی طرف تھا۔ اس وقت مجھ پر ایک کیفیت طاری تھی، کہ اچانک حضرت مولوی صاحب جلدی جلدی پیر پٹکتے ہوئے تشریف لے آئے تاکہ میں سر اُٹھاؤں، جیسے ہی میں نے سر اُٹھایا حضرت کو دیکھ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا، حضرت کچھ دیر توقف کرنے کے بعد بیٹھ گئے، اور مجھے بھی بیٹھنے کیلئے کہا۔ پھر فرمانے لگے کہ ایک کامل شخص تھے، ایک دن ان کا ایک مرید مراقبے کی حالت میں نظارۂ تجلیات میں محو تھا، شیخ نے اُسے اس عالم میں دیکھ کر اپنے پاؤں سے جوتی نکالی اور اس کے سر پر رسید کردی، مرید نے گریبان سے سر اُٹھا کر آہ بھری اور کہا افسوس میں کتنی مزے کی کیفیت میں تھا، مرشد نے ارشاد فرمایا کہ اسی لئے تو میں نے مارا۔ سالک کو اس قسم کی کیفیات اور وجد وطرب منزل مقصود کو پہونچنے سے باز رکھتے ہیں۔

فصل (۲۴) حضرت شاہ رفیع الدین کی دختر کی شادی کے وقت کا ایک واقعہ

حضرت مولوی صاحب کی بڑی صاحبزادی کی شادی کے موقعہ پر ایک شخص از راہِ تمسخر درویشوں کی سی ٹوپی اور گودڑی پہنے حضرت کے پاس آیا، اور انہیں کے (درویشوں کے) انداز میں ''عشق اللہ'' کا نعرہ لگایا۔ یہ آواز سنتے ہی آپ کی زبانِ الہام ترجمان سے بے اختیار نکلا کہ ''الٰہی اس کے جھوٹ کو سچ کر دے کیونکہ اس مسخرے نے صدیقوں کی نقل کی ہے''۔ پھر کیا تھا وہ شخص تین رات دن آہیں بھرتا رہا، اور تمام لوگ جو اس شادی میں شرکت کیلئے آئے ہوئے تھے سب کے سب بے خود ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب بھی سوائے قضائے حاجت اور وضو و نماز کے وہاں سے نہ اُٹھے۔ باورچی جو پکوان کر رہے تھے انہوں نے مدہوشی میں سالن کھانے میں اور کھانا سالن میں ملا دیا، یہ خبر ہوتے ہوتے قندھار کے راجہ تک پہونچ گئی۔ اس نے چاہا کہ اپنے ہرکاروں کو بھیج کر اس حال کو ختم کرا دے مگر اس کے وزیر نے جو ایک سمجھدار مسلمان تھا راجہ کے اس ارادہ کی مخالفت کی اور کہا کہ فوراً یہ خیال ترک کر دیجئے ورنہ آپ پچھتائیں گے۔ چوتھے دن سب ہوش میں آ گئے مگر وہ مسخرہ جو دیوانہ ہو گیا تھا اس نے پہاڑوں اور جنگل کی راہ لی، اور دشت نوردی کرتا رہا۔

فصل (۲۵) شاہ رفیع الدین کے مرید سعدو بابا کا واقعہ

ایک بار قندھار کے اطراف و جوانب قحط سالی کے حالات پیدا ہو گئے تھے۔ وہاں کے لوگوں نے حضرت کے مرید سعدو بابا سے نزولِ باراں کی دعاء کرنے کی درخواست کی۔ انہوں نے بہت بچنا چاہا، لیکن لوگ نہ مانے، اور ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخرکار مجبور ہو کر صحنِ عیدگاہ میں جا کر سعدو بابا ایک پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور درگاہِ قاضی الحاجات میں دعاء کیلئے ہاتھ اُٹھا دیے۔ جیسے ہی یہ خبر حضرت مولوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سمعِ شریف تک پہونچی فوراً آپ اُٹھے اور ان کے پاس آ کر فرمایا کہ فقیروں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قضا و قدر کے معاملات میں دخل انداز ہوں، جو خدائے تعالیٰ کو منظور ہے ہو کر رہے گا۔

سعدو بابا نے عرض کی کہ فی الحال تو غلام نے اپنے دل میں عہد کرلیا ہے کہ جب تک بارش نہ ہوگی غلام بھی نہ بیٹھے گا۔ یہ سن کر حضرت مولوی صاحب نے بھی دعاء کیلئے ہاتھ اُٹھادیے۔ ابھی کچھ دیر نہیں گذری تھی کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا اُٹھی اور ایسی زبردست بارش ہوئی کہ قندھار کے گلی کوچے ندی نالے بن گئے۔

بعدازاں حضرت مولوی صاحب اور سعدو بابا مکان لوٹے۔ قندھار کے تمام مسلمان مرد وزن نے آکر آپ کے پاؤں چومے اور ہندوؤں نے عبیر چھڑکا۔

فصل (۲۶) حضرت مولوی شاہ رفیع الدین کا انتقال

حضرت مولوی شاہ رفیع الدین صاحب نے ۱۶؍رجب ۱۲۴۱ھ (1826ء) کو (قندھار میں) انتقال فرمایا۔ فقیر نے اس طرح تاریخِ رحلت نظم کی ہے:

چوں بلبلِ جانِ پاکش، وارستہ زِ قیدِ تقیُّد
شد محوِ نظارہ دائم، در رنگِ بہارِ مطلق

آہنگ بیانِ سالش، بادیدۂ تر نمودم
فرمودہ دلِ حزینم، پیوستہ برحمت حق
۱۲۴۱ھ (1826ء)

رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ

تمام شد

ناموں کا اشاریہ کتاب ''بحرِ رحمت''

الف

BAHR -E- RAHMAT

BIOGRAPHY OF ḤAZRAT SYED KHAJA RAḤMATULLAH NAIB RASOOL (RAḤMAT ABAD SHARIF)

BY
ḤAZRAT SYED ABU SA'ID WALA

کلاہ مبارک حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہ
تاریخ زیارت ۲۶ ربیع الاول بعد نماز عصر، بمکان اسلم خان صاحب (فوٹو فریم والے)

تسبیح شریف و قہوہ دان حضرت سید خواجہ رحمت اللہ نائب رسول قدس سرہ
(تاریخ زیارت ۲۵ ربیع الاول بعد نماز ظہر) بمکان : شاہ غلام نقشبندی عبدالرشید صاحب

PUBLISHER :

MUHAMMAD ABDULLAH BADSHAH, KHATEEB AND IMAM, MADINA MASJID,
RAHMAT ABAD SHARIF (NELLORE DIST.) - 524304 (A.P.)

Talib E Dua

محمد عامر علی قادری

ابن

محمد عضمت الدین قادری صاحب